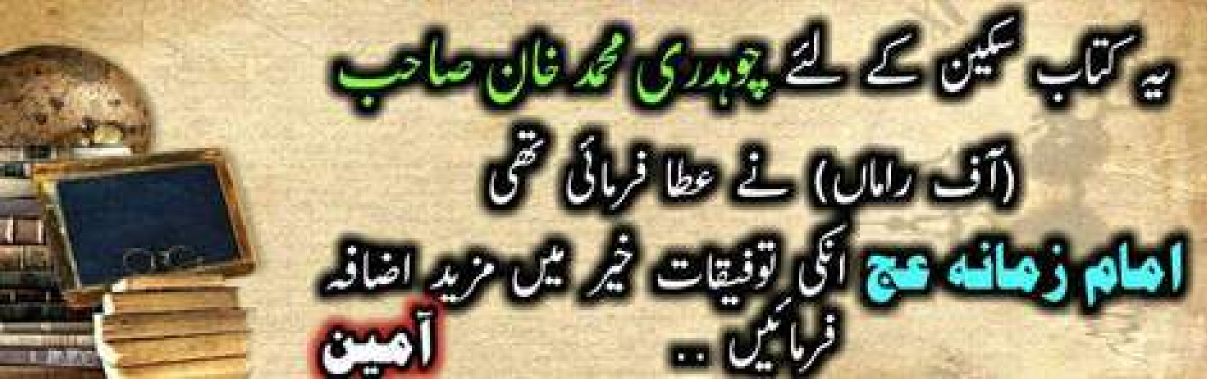
الحسینؑ والبکاء

القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اے اینڈ کے چیمبر، سیکنڈ فلور،
سویٹ نمبر ۱۱، ۱۴-ویسٹ وہارف روڈ، کراچی نمبر ۲۔


یہ کتاب سکین کے لئے چوہدری محمد خان صاحب
(آف راماں) نے عطا فرمائی تھی
امام زمانہ عج انکی توفیقات خیر میں مزید اضافہ
فرمائیں .. آمین


TaabeerMurtaza.ml
Best Search Engine For
Online Books

پیش لفظ

اس رسالہ کا مقصد مناظرہ نہیں بلکہ بواسطہ امام حسینؑ پہلے اپنی قوم کی اور بعدہٗ تمام مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے۔ لہٰذا پہلے اپنے فرقہ کی غلط فہمیوں کو دکھلانا اور اپنے عیوب پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ہر شخص کے عیبوں کی تھیلی اسکی پشت پر ہی پڑی رہتی ہے۔ دوسروں کے عیوب نظر آتے ہیں مگر اپنے نظر نہیں آتے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

یہ دل کمبخت دل لپکا ہے جس کو عیب جوئی کا
کبھی حالت پہ اپنی نکتہ چین دیکھا، نہیں دیکھا

پھر اگر کوئی دکھلانے والا ہمیں ہمارے عیوب دکھلاتا ہے تو طبیعت کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور ہماری اَنا نہ تو اپنے عیوب پر نظر ڈالنے کی اجازت دیتی ہے نہ ہی دل ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہماری اسی کیفیت نفس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے۔ ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ (خدا نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔)

ہمارے فرقہ شیعہ کا بھی اس وقت یہی حال ہے کہ فرقہ کا ہر فرد حدیث ستفترق اُمتی علیٰ ثلٰثۃ وسبعون فرقۃ کلھم فی النار الا واحدًا (عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سب ناری اور ایک ناجی) کی رو سے اپنے تئیں نجات یافتہ ہونے کا یقین کیے ہوئے ہے۔

اس لیے کہ بیشمار احادیث میں شیعان علیؑ اور محبانِ اہلبیتؑ کو بھی ناجی کہا گیا ہے
جو بالکل درست ہے۔ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ شیعہ علیؑ اور محب آلِ رسولؐ
ناجی ہے۔ مگر جو علامتیں خود اہل بیت علیہم السّلام نے اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں
ان کو سننا، دیکھنا اور سمجھنا کبھی گوارا نہیں کرتے۔ شیعانِ علی ناجی ہونا تو یقینی
ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہم شیعہ علی ہیں بھی یا نہیں۔ خود جناب امیر المؤمنین نے
علامات اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں ان کو اپنے نفس پر پیش کرنا اور اس کے بعد
غور کرنا کبھی گوارا نہیں کرتے۔ اُن علامات میں سے چند یہ ہیں کہ ان کے سروں
پر خاک ہوگی پیٹ پشت سے ملے ہونگے۔ آنکھوں میں آنسو ہونگے۔ وغیرہ وغیرہ
اگر غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ واقعی محبت کی یہی علامتیں ہیں۔ مگر ہمارا نفس ان
پر غور کرنا کب گوارا کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہم شیعہ ہیں۔

دیکھیئے! اگر ایک شخص کو کسی دور دراز مقام سے اطلاع ملے کہ اسکا کوئی
عزیز جائیداد کثیر چھوڑ کر فوت ہو گیا اور وہی اس کا واحد وارث ہو تو اس شخص
کو وہاں پہنچنے اور اس جائیداد پر قبضہ کرنے کا کیسا اضطرار ہوگا۔ کاروبارِ دنیا میں
اوروں کی طرح مصروف تو یہ بھی رہے گا مگر دل میں وہاں پہنچنے کی خواہش
چھٹکیاں لیتی رہے گی یہی مضمون قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں ملتا ہے
قل إن كانت لكم دار الأخرة عند الله خالصة من دون
الناس فتمنوا الموت ان كنتم صادقين (کہہ دے کہ اگر آخرت
کا گھر یعنی جنت اللہ کے پاس صرف تمہارے ہی لیے ہے اور لوگوں کے
علاوہ تو پھر موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو)

تو غور کریں قرآن کیا کہتا ہے۔ یعنی نا کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ صرف تم ہی ناجی ہو تمہارے سوا اور کوئی گروہ ناجی نہیں اور جنت صرف تمہارے ہی لیے ہے تو تم کو وہاں پہنچنے اور اس پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور کچھ اضطرار ہوتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں پہنچنے کا تو صرف ایک ہی دروازہ ہے جس کا نام موت ہے۔ اس دروازے کی تم کو آرزو ہوتی ہے کہ نہیں؟ تمہارا نفس اس دروازے پر پہنچنے کی خواہش کرتا ہے یا اس سے دور رہنے کی؟ آپ خود اپنے نفوس کا محاسبہ کرلیں اور خدا اور رسول کو جو مناسب سمجھیں جواب دیں۔

الغرض قرآن تو فرقۂ ناجی کی علامت تمنائے موت بتلاتے ہم بغیر اس علامت کے ہی ناجی ہونے کا یقین کئے بیٹھے ہیں اور کبھی نہ غور کریں کہ یہ علامت ہم میں کیسے پیدا ہو کبھی نہ سوچیں کہ خود علی نے جو علامتیں اپنے شیعوں کی بتلائی ہیں وہ ہمارے نفوس میں کیسے پیدا ہوں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان نشانیوں کے پیدا کرنے کے طریقے سنیں اور سمجھیں اور پھر ان پر عمل کریں تاکہ ہمارے نفوس میں خدا و رسول اور آل رسول کی بتلائی ہوئی نشانیاں پیدا ہو جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد و آل محمد ہم کو بروز قیامت اپنے سامنے سے دور کردیں اور ہمارا دعویٰ محبت دھرے کا دھرا رہ جائے۔

ان مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ابتدا میں تو یہ دکھلایا ہے کہ من بکا علی الحسین کا مصداق کون ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہ عزائے حسین سے جنت کس طرح واجب ہو جاتی ہے بعدہٗ اس امر کا ثبوت قرآن سے پیش کیا ہے کہ عزائے حسین اسلام کا فرض اولین ہے جس کا تارک مواخذہ میں گرفتار ہوگا۔ آخر میں وہ طریقے دکھلائے ہیں جن سے تمام علامات فرقۂ ناجی کی نفس میں پیدا ہو جائیں۔

آخر میں حضرات ناظرین سے التماس ہے کہ بندۂ عاصی عالم تو ہے نہیں اور صرف تین روز میں رسالہ تمام کیا ہے اس لئے اغلاط لفظی کا امکان ہے۔ حضرات ناظرین اس کو بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں اور اغلاط کی درستی فرمائیں۔

احقر الزمن
شفاء احمد نقوی

الحسینؑ و البکاءؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزادار حسین - ارے میاں، بھائی عارف چلتے نہیں ؟
محمد عارف - بھائی کہاں ؟
عزادار - میاں مجلس میں!
عارف - کہاں کی مجلس ؟
عزادار - میاں وہیں ننن صاحب کے یہاں - آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے آپ جانتے ہی نہیں
عارف - بھائی میں ان کے یہاں کی مجلس میں نہیں جایا کرتا - میں اس مجلس میں جانا اچھا نہیں سمجھتا -
عزادار - واہ جناب اس سے بہتر تو شہر میں کوئی مجلس ہوتی ہی نہیں م ذرگر ذاکرین کو تو جانے دیجئے ایک منے خاں میراثی ہی کی سوزخوانی سننے کے لئے بڑی بڑی دور سے لوگ آتے ہیں - آواز بھی کیسی دردناک ہے بالکل دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے - اس قدر گریہ ہوتا ہے کہ لوگ دو دو گھنٹہ مجلس کے بعد بھی روتے رہتے ہیں -
عارف - بھائی میں تو اس رونے کو بالکل بیکار اور قطعاً فعل عبث سمجھتا ہوں -
عزادار - واہ جناب تو آپ حدیث کے منکر ہیں - حدیث کا منکر تو کافر ہے -
عارف - کون سی حدیث جناب، ذرا مجھے بھی تو سنائیے -

عزادار۔ آپ بھی عجیب حضرت ہیں، خوب تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ روزانہ تو مجلس میں بیان ہوتی ہے۔

عارف۔ آپ کو اس سے کیا مطلب؟ میں نے سنی ہے یا نہیں، آپ وہ حدیث بیان کیجئے۔

عزادار۔ ارے بھائی وہی مشہور و معروف حدیث من بکاء علی الحسین او ابکی و تباکی وجبت لہ الجنۃ (جو روئے یا رلائے حسین پر یا رونے والوں کی صورت ہی بنائے اس پر جنت واجب ہے) یہ حدیث عام طور پر مجلسوں میں بیان کی جاتی ہے۔ آپ نے بھی سیکڑوں مرتبہ سنی ہوگی، مگر نہیں معلوم آج آپ کو ہو کیا گیا ہے کہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

عارف۔ ہاں بھائی میں تو بالکل ہی بہک گیا ہوں - سیدھی طرح کیوں نہیں کہہ دیتے کہ گمراہ ہوگئے ہو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں بہکا ہوا کون ہے میں اس حدیث سے انکار نہیں کرتا بلکہ یہ تو میرا ایمان ہے۔ میں تو قرآن سے یہ ثابت کرنے کو تیار ہوں کہ حسینؑ پر رونے سے نہ صرف جنت واجب ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر مجھے آپ کے قلب میں اتنی قوت نظر آئی اور میں نے دیکھ لیا کہ آپ اپنے اور اپنے فرقہ کے عیوب بھی ٹھنڈے دل سے سن سکتے ہیں تو میں آیات قرآنی سے یہ بھی ثابت کردونگا کہ حسینؑ پر رونا، رلانا، ماتمی جلوس نکالنا از روئے احکام قرآنی واجب ہے جس کا بجا نہ لانے والا مجرم ہے۔ مجھے تو اس مفہوم سے اختلاف ہے جو آپ اس سے سمجھے ہوئے ہیں۔ آپ یہ بتائیے کہ حدیث میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ جو روئے حسینؑ پر اس پر جنت واجب! اس "جو روئے" سے آپ کیا مفہوم مراد لیتے ہیں؟"

عزادار۔ بھائی میرا تو ایمان ہے کہ معصوم کا قول خدا کا قول ہے اس کی تکذیب کرنا کفر ہے۔ جب معصوم کا قول ہے کہ جو روئے اس پر جنت واجب ہے تو کچھ جو بھی روئیگا اس پر جنت واجب ہو جائیگی۔

عارف - اچھا جناب! اگر ایسا ہی ہے تو بتایئے کہ جب میدان کربلا میں امام مظلوم نے ننھے مجاہد جناب علی اصغر کی حالت لشکر یزید کو دکھلائی اور اس معصوم نے اپنی ننھی سی سوکھی زبان نکال کر جہاد شروع کیا تو سب کے قلوب کو مجروح کر دیا۔ تمام لشکر میں ہر شخص مُنہ پھیر کر رونے لگا۔ کیا یہ تمام رونے والے من بکا علی الحسین میں داخل اور مستحق جنت ہیں؟

عزادار - نہیں جی، بھلا وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ توبہ توبہ وہ تو قاتل تھے۔

عارف - اچھا صاحب! جب اہلحرم کا داخلہ بازار کوفہ میں ہوا اور جناب زینب خاتون نے لوگوں کو خطاب کر کے سنایا کہ تم ہمارے نانا کا کلمہ پڑھتے ہو۔ تم کیسے مسلمان ہو کہ نانا کا کلمہ پڑھکر نواسیوں کو ذلیل و تشہیر کر رہے ہو اور بہت دیر تک وہ مخدرہ خطبہ دیتی رہیں تو بازار کوفہ میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ تمام زن و مرد زار زار رو رہے تھے۔ کیا یہ سب رونے والے من بکا علی الحسین میں داخل ہو گئے اور نجات کے مستحق ٹھہرے۔ یہ تو نہ قاتل تھے نہ لشکر یزید میں شامل؟

عزادار - نہیں جناب وہ کیسے جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ قاتلوں کے کام سے راضی ہوئے۔ اور قتل حسین کو بُرا نہ سمجھتے تھے اس لئے مثل قاتلوں کے تھے،

عارف - جب اہلبیت کا داخلہ دربار کوفہ میں ہوا تو اہل دربار میں سے بعضے روئے۔ کیا یہ جنتی ہو گئے؟

عزادار - نہیں ہرگز نہیں،

عارف - اچھا جب آل رسول کو قید میں عرصہ ہو گیا تو امام زین العابدینؑ دربار یزید میں اکثر بلائے جاتے۔ ایک روز لوگوں نے اصرار کر کے آنحضرت کا کلام سننا چاہا۔ حضور نے ممبر پر جا کر اپنے فضائل بیان کرنے شروع کئے۔ فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا تو میں اس کو پہچنواتا ہوں میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں

میں عرش پر جانے والے کا فرزند ہوں۔ یہاں تک کہ فرمایا میں اس کا بیٹا ہوں جو بے گردن دے ذبح کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا لباس تک لوٹ لیا گیا۔ اس پر تمام دربار میں کہرام برپا ہو گیا کیا یہ سب رونے والے من بکا علی الحسین میں داخل ہو گئے اور جنت ان پر واجب ہو گئی؟

عزادار۔ بھائی تم تو عجیب باتیں کرتے ہو۔ بھلا یزید کے درباری جنت کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عارف۔ بھائی تم نے خود ہی تو حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جو بھی روئے اس پر جنت واجب، اور تمھارا یہ ایمان تھا اب کیوں بے ایمان ہوئے جا رہے ہو حدیث کے لفظ تو اتنے ہی ہیں کہ جو بھی روئے اب تم خود ہی حدیث کا انکار کر کے کافر بن رہے ہو۔

عزادار۔ بھائی آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ یہاں بھلا قاتل اور قاتلوں کے ساتھی کیسے اس کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

عارف۔ اچھا بھائی نہ سہی! یہ بتاؤ کہ جب اہل حرم کی رہائی کا حکم ہوا اور قید خانے سے باہر آئے تو اہل شام دروازہ زندان پر جمع تھے اور بہت سے زار زار رو رہے تھے، یہ تو یزید کے ساتھی نہ تھے۔ ان پر تو جنت واجب ہو ہی گئی۔

عزادار۔ ساتھی نہ تھے تو یزید کے کام سے ناراض بھی تو نہ تھے لہذا ساتھیوں میں شمار ہے۔

عارف۔ اچھا جب بعد رہائی اہل حرم نے ایک مکان دمشق میں مجلس حسین برپا کرنے کو خالی کرایا اور اس میں نوحہ و ماتم برپا کیا تو اہل شام کی بہت سی عورتیں اس میں شریک ہوئیں۔ خوب گریہ و زاری نوحہ و ماتم کیا۔ یہ تو سب داخل من بکا ہو ہی گئیں؟

عزادار۔ نہیں جی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو محض دیکھنے سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اور یزید کا حکم تھا کہ ان کے ساتھ کچھ اظہار ہمدردی کر کے ظاہرا اشک شوئی کی جائے ورنہ انھیں حسین پر رونے سے کیا تعلق؟

عارف - اچھا بھائی نہ سہی، اب یہ بتادو کہ جب اہل حرم کا داخلہ مدینہ میں ہوا تو تمام اہل مدینہ پرسے کو آئے اور سب زار زار روتے تھے۔ کیا یہ سب حضرات من بکی میں داخل اور مستحق جنت ہو گئے؟

عزادار - بھائی صاحب! یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے فرزند رسول کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس وجہ سے باعث قتل حسینؑ ہیں۔ ان میں سے جو عذر شرعی رکھتے تھے اور محبان اہلبیت تھے وہ ضرور اس کے مصداق ہیں اور جنت کے حقدار ہوئے۔

عارف - اچھا تو آپ کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہو اور مصائب حسین پر روئے وہ اس کا مصداق ہوگا۔

عزادار - ہاں ہے تو ایسا ہی "جو روئے" میں صرف محبت رکھنے والا ہی داخل ہو سکتا ہے۔

عارف - اگر آپ کا یہ خیال درست ہے تو بتائیے کہ بت پرست، مشرک اور ہندو صاحبان مجالس میں شریک ہو کر مصائب حسینؑ پر روتے ہیں تو کیا من بکی میں شامل ہو جاتے ہیں؟

عزادار - حضرت میں تو کہہ چکا کہ جب تک حسینؑ سے محبت نہ ہو ہرگز جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

عارف - اچھا بہت سے اہل ہنود جو مورتی پوجا کرتے ہیں مگر حسینؑ سے محبت رکھتے ہیں اور عشرہ محرم میں مجالس عزا برپا کرتے ہیں۔ روتے ہیں رلاتے ہیں۔ تعزیہ داری پر رقوم کثیر صرف کرتے ہیں وہ تو سب جنتی ہیں؟

عزادار - بھائی میں کوئی فتویٰ تو دے نہیں سکتا۔ ہاں یہ ضرور کہونگا کہ حسینؑ سے محبت رکھنے والا حسینؑ کے ماں باپ بھائی اور اولاد سے ضرور محبت رکھے گا۔ اور جب پنجتن پاک سے محبت ہو گی تو ان کو مانے گا بھی ضرور اور جب ان کو مانیگا تو مسلمان ہو جائیگا ورنہ جو شخص خدا و رسول اور پنجتن پاک سے محبت نہ رکھتا ہو اور ان کو نہ مانتا ہو۔ فقط

حسینؑ سے محبت رکھنے اور مجلس ماتم برپا کر لینے سے حسینؑ کا سچا محب کیسے ہو سکتا ہے؟

عارف۔ سبحان اللہ آپ نے ہندو عزاداروں کو تو اپنے زعم میں فیض حسینی سے محروم سمجھ لیا۔ اب جو حنفی صاحبان آپ لوگوں کی طرح ہی عزاداری کرتے ہیں۔ پنجتن پاک سے محبت رکھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

عزادار۔ وہ ان کے قاتلوں سے جب تک بیزار نہ ہوں اور ان کو برا نہ سمجھیں حسینؑ کے دوست نہیں ہو سکتے۔

عارف مگر جو حنفی حضرات عزاداری کرتے ہیں وہ یزید اور تمام لشکر یزید کو دل سے برا سمجھتے ہیں۔

عزادار۔ ہاں یہ تو صحیح ہے مگر وہ پنجتن پاک کے دشمنوں سے بھی محبت رکھتے ہیں جو ان کے دشمنوں کو دوست رکھے وہ ان کا سچا محب کیسے ہو سکتا ہے۔

عارف۔ آپ تو فیض حسینی کے ٹھیکیدار بن گئے کہ حنفی عزاداروں کو بھی برکات حسینی سے محروم سمجھ لیا۔ اب یہ فرمایئے کہ اسمٰعیلی شیعہ جو آپ کی طرح ہی عزاداری کرتے ہیں۔ وہ تو مستحق جنت ہونے ہی چاہئیں؟

عزادار۔ بھائی صاحب یہ چودہ معصوم سب کے سب ایک ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار کیا وہ لوگ جب چھ معصوموں کا انکار کرتے ہیں تو حسینؑ کے سچے محب کیسے ہو سکتے ہیں؟

عارف۔ اچھا تو اب آپ کا عقیدہ اس حدیث کے متعلق کیا ہے؟ پہلا عقیدہ تو باطل اور فاسد ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کا غلط مفہوم ہی ہے جس نے فرقہ شیعہ کو بالکل غافل کر دیا اور اسی طرح سے اور بہت سی احادیث کا مفہوم صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے تمام قوم غفلت میں پڑ گئی اب بتایئے اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

عزادار۔ بھائی اتنی دیر کی بات چیت سے میں تو اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ من بکیٰ کے مصداق میں صرف وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو بارہ شرائط پوری کرے۔

۱۔ خدا کے وجود کا قائل ہو۔ اس پر ایمان رکھتا ہو اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو!

۲۔ خدا کے تمام انبیا و رسل پر، ان کے اوصیاء پر اور ملائکہ پر ایمان رکھتا ہو۔

۳۔ حضور سرور دو عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام انبیاء سے افضل، صاحب شریعت، رسول اور آخر الزمان نبی سمجھتا ہو۔

۴۔ حضور کے بعد بارہ اماموں کو امام واجب الاطاعۃ، منصوص من اللہ اور معصوم سمجھتا ہو۔

۵۔ جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو معصومہ اور افضل ترین نساء عالمین مانتا ہو۔

۶۔ امام زمان حضور آخر الزمان علیہ صلوٰۃ الرحمٰن کو زندہ اور شہید علی الخلق مانتا ہو۔ اور حضور کے ظہور کا اور تمام عالم میں بعد ظہور اسلام پھیلا دینے اور اسلامی حکومت قائم کر دینے کا قائل ہو۔

۷۔ قرآن شریف کو منزل من اللہ۔ خدا کی آخری کتاب مانتا ہو۔ دیگر کتب سابقہ اور صحف انبیا کی تصدیق کرتا ہو۔

۸۔ شہدائے کربلا اور دیگر عاشقان اہلبیت سے محبت رکھتا ہو۔

۹۔ ائمہ علیہم السلام اور مومنین کاملین کی رجعت کا قائل ہو۔

۱۰۔ تمام احکام اور آیات قرآنی کی تصدیق کرتا ہو اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہ کرتا ہو۔

۱۱۔ حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کے حکم کو خدا کا حکم سمجھتا ہو اور ان کی کسی حدیث کا انکار نہ کرتا ہو۔

۱۲۔ خدا و رسول اور آل رسول کے دشمنوں اور مخالفت کرنے والوں سے بیزار ہو اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام اور ان کے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کے قاتلوں سے پوری پوری نفرت کرتا ہو۔ اور ان پر نفرین کرنے کو بھی برأت سمجھتا ہو۔

عارف۔ کہئے حضرت! آپ پہلے کہاں تھے؟ اور اس حدیث کا کیا مفہوم

سمجھے ہوئے تھے اور اب کیا سمجھنے لگے۔ بس اتنی سی دیر میں آپ کا عقیدہ بالکل بدل گیا۔ اب آپ بتلائیں کہ اس حدیث کو سن کر جو آپ مرے گدھے کی طرح پھولا کرتے تھے وہ کہاں تک درست تھا؟

عزادار۔ واہ جناب ہم تو اس کے مصداق میں ضرور ہی داخل ہیں اس لئے کہ ان تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔

عارف۔ اچھا جناب سنئے! میں آپ کو یہ بھی دکھلائے دیتا ہوں کہ آپ خود ہی اپنی بیان کی ہوئی شرائط کو پورا نہیں کر رہے۔ پہلے صرف اتنا ہی دکھاؤنگا کہ آپ اپنی بارہویں شرط کو کہاں تک پورا کرتے ہیں؟

عزادار۔ واہ جناب ہم ان کے قاتلوں سے سخت بیزار ہیں۔ اور ہم کو توان سے ایسی نفرت ہے کہ اگر وہ ہمارے سامنے ہوتے تو ان کو مٹانے میں ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔

عارف۔ اچھا بھائی پہلے آپ یہ بتائیں کہ جو شخص قاتلان حسین سے محبت رکھے ان کی اطاعت کرے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

عزادار۔ وہ ملعون ہے، جہنمی ہے۔ کسی طرح اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔

عارف۔ اچھا تو آپ یہ فرما دیجئے کہ حسین کے قاتلان حقیقی کون ہیں؟

عزادار۔ ظاہری قاتل تو یزید اور فوج یزید۔ مگر حقیقی قاتل وہ ہیں جو ایسے حالات کے باعث ہوئے جس کے نتیجے میں یہ شہادت ظہور میں آئی۔

عارف۔ کیوں صاحب! آپ نے ان کو حقیقی قاتل کیسے بنا دیا۔

عزادار۔ جناب جو شخص بنا رکھنے والا ہو آل رسول پر ظلم کی ابتدا کرنے والا ہو اہلبیت کی دشمنی پر لوگوں کو برانگیختہ کرنیوالا اور اس کا سبب اصلی ہو وہی تو حقیقی قاتل ہے

عارف۔ اب یہ تو فرما دیجئے کہ جن کو آپ حقیقی قاتل ٹھہرا رہے ہیں اگر کسی نے

ان کو دشمنی اہلبیت کی بنیاد رکھنے پر برانگیختہ کیا ہو اور رغبت دلائی ہو وہ تو ان سے بھی زیادہ قابل نفرت ہوگا یا نہیں؟

عزادار - ان کے علاوہ تو اور کوئی ہے ہی نہیں، ان کو رغبت دلانے والے اور کون ہو سکتے ہیں؟

عارف - اور اگر ہوں تو ان کے لئے آپ کیا کہیں گے؟

عزادار - بھائی میں تو یہی کہونگا کہ حقیقی قاتلان حسینؑ وہی ہیں اور جو ان سے نفرت نہ کرے گمراہ ہے اور اگر ان سے محبت رکھے یا ان کی پیروی اور اطاعت کرے وہ جہنمی ہے!

عارف - آپ نے بہت بڑی بات کہدی - ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے۔

عزادار - واہ جناب نہیں کیسے کہنی چاہیئے ہمارا تو یہ عقیدہ ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔

عارف - اچھا اب میں مجبور ہوں - اگر آپ کا یہی عقیدہ ہے تو سنئیے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ اہلبیت کی دشمنی پر، آل رسول پر مظالم کی بنیاد رکھنے پر ان لوگوں کو جن کو آپ بانیان قتل حسینؑ سمجھ رہے ہیں برانگیختہ کرنے والے کون تھے؟ لیجیئے سنئے۔

(۱) دنیا میں بڑا بننے کی خواہش (۲) نام و نمود عزت و شہرت کی خواہش (یعنی ہم بڑے سمجھے جائیں اور دنیا کی نظر میں عزت و وقعت حاصل کریں) (۳) مال دنیا کی محبت اور اس کے حصول کی خواہش - (۴) خوف غیر اللہ - دیکھئے کربلا میں جتنے بھی افراد قتل حسینؑ کے لئے جمع ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کو قتل حسینؑ پر برانگیختہ کرنے والی یہی خواہشات تھیں - کوئی حکومت کی لالچ میں - کوئی مال دنیا کی لالچ میں، کوئی نام و نمود عزت و شہرت کی خواہش میں قتل حسینؑ کے لئے آیا تھا، کسی کو حکومت کے خوف، اہل و عیال کی تباہی کے اندیشے نے لشکر یزید میں شامل ہونے پر مجبور کیا تھا - لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حقیقی قاتلان حسینؑ خواہشات و جذبات ہی ہیں۔

(۱) ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸ کا حاشیہ ۱۲

اس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ مال دنیا کی محبت، نام و نمود عزت و شہرت کی محبت، بڑا سمجھا جانے کی خواہش، اہل و عیال، مال و اسباب، مکان و جائداد کی محبت اور خوف غیر اللہ ہی حقیقی قاتلانِ حسین ہیں۔ جن کی تفصیل قرآن بھی کرتا ہے۔ (سورہ توبہ)،
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۝ (ترجمہ۔ اے حبیب لوگوں سے کہدو کہ اگر تمہارے باپ دادا۔ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور تجارت جس میں تم نقصان سے ڈرتے ہو اور وہ مکان جن میں رہنا تم کو پسند ہے (یہ تمام چیزیں) تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو

حاشیہ صفحہ ۱۴۔ لہ خواہش کے لفظی معنی چاہنا یا چاہ۔ مگر اصطلاح میں بھوک۔ پیاس۔ آرام کرنے کی چاہ نیند لینے کو جی چاہنا اور اسی طرح سے آپ ہی آپ بغیر اس کے کہ کوئی ظاہری سبب اس کا ہوا ہو دل میں چاہ پیدا ہو جائے اس کو خواہش کہتے ہیں۔ جیسے بھوک آپ ہی آپ لگتی۔ پیاس خود بخود لگتی ہے سونے کی خواہش آپ ہی آپ ہوتی ہے ایسی ساری خواہشات کو قرآن شہوات کہتا ہے۔

لہ جذبات جمع ہے جذبہ کی یعنی کئی جذبے۔ اصطلاح میں جذبہ اس کیفیت یا حالت کو کہتے ہیں، جو ہمارے نفس یعنی ہماری جان پر غصہ میں۔ محبت کے جوش میں، خوشی میں، تکلیف میں رنج و غم میں اور آرام وغیرہ میں طاری ہوتی رہتی ہے۔ یہ ساری کیفیتیں یا حالتیں بغیر کسی ظاہری سبب کے پیدا نہیں ہوتیں مثلاً غصہ بغیر کسی سبب کے نہیں آتا۔ نفرت کہ جب تک کوئی گھناؤنی چیز سامنے نہ ہو نفرت کی کیفیت آپ ہی آپ دل میں نہیں پیدا ہو سکتی۔ ایسی ساری کیفیتوں یا حالتوں کو جو ہمارے نفس یا دل پر طاری ہوتی ہیں جذبات کہتے ہیں۔ ۱۲

یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب نازل کردے) اس آیہ میں خدا کی راہ، خدا کی سبیل میں کوشش یا جہاد کرنے کا مفہوم آل رسول ہی کے کلام سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ سبیل اللہ (یعنی اللہ کی راہ) ہم ہیں۔ لہذا آیت کا مطلب یہ نکلا کہ جس کو دنیا کی یہ ساری چیزیں اہلبیت کی محبت تک پہنچنے میں مانع ہوں وہ مستحق عذاب ہو جاتا ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ جو شخص ان ہی حقیقی قاتلان حسینؑ یعنی خواہشات و جذبات سے محبت رکھتا ہو۔ ان کی بے چون وچرا اطاعت کرتا ہو وہ اس حدیث کے مفہوم میں کیسے داخل ہو سکتا ہے بلکہ خود آپ ہی کے عقیدے کے مطابق رحمت خدا اسے کھدا اور عذاب الیم کا سزاوار ہے۔ اور خود آپ ہی کا اس پر ایمان ہے۔ میں ایسے فاسد عقیدہ کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔

عزادار۔ اُف! معاذ اللہ بھائی تم نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ان چیزوں سے بچ سکے۔ بس صاحب رہنے دیجئے۔ مجھے اپنے خیالات خراب نہیں کرنے چاہئیں۔ ہمارے لئے تو اہلبیت کی محبت اور حسینؑ پر رولینا کافی ہے۔

عارف۔ دیکھئے جناب محبت اہلبیت ایمان کی علامت ہے جس کو محبت اہلبیت حاصل ہو گئی ایمان مل گیا۔ یہی سبب ہے کہ شیعہ حضرات اپنے کو مومن کہتے ہیں اور یقین کئے ہوئے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ قرآن کریم ایمان کی علامت حب اللہ بتلاتا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (اور جو لوگ ایمان لائے اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں) پھر قرآن جگہ جگہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ اللہ کی محبت کی علامت آنحضرت کی محبت ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا و رسول اور آل رسول کی محبت ایک ہے۔ محبت اہلبیت کی علامت موت کی محبت ہے۔ جس کو اہلبیت سے محبت ہوگی اس کو موت بھی محبوب ہوگی۔ اب آپ تبلایئے کہ اگر خدا و رسول اور آل رسول بچے ہیں تو جب تک آپ کو موت سے محبت نہ ہو آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کو

بیزاری علامت ہے کہ آپ اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہیں تو معاذ اللہ وہ سب جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر تو سارے کا سارا مذہب ہی بے کار ہے بلکہ ان کی تکذیب کرنے کے سبب آپ اپنے کو مستحق عذاب الیم بنا رہے ہیں۔

اب رہا حسین پر رونا تو ہندو۔ حنفی۔ شیعہ۔ اسمٰعیلی سب ہی حسین پر روتے ہیں پھر آپ میں اور ان میں کون سا فرق ہے؟

عزادار۔ میاں فرق کیسے نہیں۔ ہم خدا اور رسول کو مانتے ہیں ہندو نہیں مانتے ہم دشمنان اہلبیت سے بیزاری اور نفرت کرتے ہیں حنفی ایسا نہیں کرتے۔ ہم پورے بارہ اماموں کو مانتے ہیں اسمٰعیلی آخری چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ پھر ہم اور وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کی حماقت اور پاگل پن ہے۔

عارف۔ ہاں بھائی میں تو احمق ہوں، پاگل ہوں، مجنون ہوں۔ اور جو کوئی بھی حق بات کہے گا۔ قرآن سنائیگا۔ وہ پاگل اور مجنون ہی کہلائے گا۔ میں تو اس بات کا برا نہیں مانتا اس لئے کہ کفار و مشرکین اور منافقین کی سنت یہی رہی ہے کہ حضور سرور کائنات اور دیگر انبیا علیہم السلام کو وہ لوگ مجنون پاگل احمق اور گمراہ ہی کہا کرتے تھے۔ مجھکو حضرات انبیاء علیہم السلام کی غلامی کے حصول کی خواہش ہے اور وہ باتیں جو وہ لوگوں کو سناتے تھے میں آپکو سنا رہا ہوں تو آپ اگر مجھے پاگل، بیوقوف اور گمراہ کہیں تو میرے لئے باعث فخر ہے نہ سبب رنجش۔

عزادار۔ اب تو آپ بہت ہی بڑھ چلے۔ آپ کی زیادتی کی کوئی انتہا ہی نہ رہی۔ گویا کہ ہم آپ کے نزدیک کافر مشرک اور منافق ہیں۔ آپ کی ایسی سخت باتوں کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔

عارف۔ بھائی صاحب میں تو آپ ہی کے بھلے کی بات کہہ رہا ہوں بھلا سوچیں تو سہی میرا اس میں کیا فائدہ ہے۔ پیارے بھائی ذرا غور تو کرو اگر کوئی شخص یہ یقین کرلے کہ ہم

کے گھر میں بہت سا مال ہے بہت سا غلہ ہے اور کھانے پینے کے ہر قسم کے سامان کا ڈھیر ہے، اور حقیقتاً نہ ہو تو اس کا یہ یقین اس کی ہلاکت کا باعث ہوگا یا نہ ہوگا۔ اسی طرح سے آپ بھی یہ یقین کئے ہوئے ہیں کہ آپ کے پاس ہلاکت ابدی سے بچنے کا سامان موجود ہے۔ اور اگر حقیقتاً نہ ہو تو کوئی چیز بھی آپ کو ہلاکت ابدی سے بچا سکتی ہے۔ میں تو اپنے ارحم الراحمین کا کسی طرح شکر نہیں بجا لا سکتا جس نے محض اپنی رحمت سے اپنے رسولؐ کے صدقے سے اپنے حسینؑ کے طفیل سے مجھے اتنا شعور عطا فرما دیا کہ میں یہ سمجھ سکا کہ حالت لاشعوری میں کفر و شرک اور نفاق عظیم میں مبتلا ہوں۔ ہزار ہزار شکر ہے اس کا کہ شعور آتے ہی نفاق سے نکل گیا اور مالک سے استغاثہ شروع کیا کہ وہ مجھے کفر و شرک سے نکالے۔ آپ بھی اگر ٹھنڈے دل سے سنتے جائیں تو میں آپ کو دکھلا دونگا اور خود آپ اپنی ہی زبان سے اقرار کر لیں گے کہ آپ اس وقت تک کلام خدا کے مطابق کفر و شرک اور نفاق عظیم میں مبتلا ہیں۔ اتنا بڑا نفاق جس سے زیادہ نفاق کی کوئی منزل نہیں ہو سکتی۔

عزادار ۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ تم نے تو حد ہی کر دی۔ میاں منافق تو وہ ہے جو علیؑ سے محبت نہ رکھے۔ ہمیں آپ نے کیسے منافق کہہ دیا؟

عارف ۔ پیارے بھائی سنو تو سہی اور ذرا ٹھنڈے دل سے سنو گھبراؤ مت یہ بتاؤ کہ منافق کس کو کہتے ہیں اور نفاق کے کیا معنی ہیں؟

عزادار ۔ بھائی جو شخص زبان سے کوئی بات کہے اور اس کے دل میں نہ ہو اس کو منافق کہتے ہیں۔ دل اور زبان کا ساتھ نہ ہونا ہی نفاق ہے۔

عارف ۔ ایک شخص جو دل سے تو کسی حق بات کی تصدیق کرتا ہے مگر زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کیا آپ اس کو بھی منافق کہیں گے؟

عزادار ۔ نہیں جناب اس کو کیوں منافق کہتے۔ بلکہ منافق تو اس شخص کو کہیں گے جو زبان سے حق بات کہتا ہو مگر دل سے تصدیق نہ کرتا ہو یعنی صرف زبان سے کہتا ہو۔ دل

نہ کہتا ہو۔ اس قول میں اس کا دل زبان کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔

عارف ۔ اچھا یہ بات ہے تو اب ذرا بتاؤ تو سہی کہ زیارت جناب سید الشہدا علیہ السلام جس کو آپ زیادہ تر شہدا کے ثواب کی نیت سے پڑھا کرتے ہیں اس کے آخری حصہ میں جو آپ خدا کو، رسول کو، اس کے سارے انبیا کو خدا کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں قَلْبِیْ لِقَلْبِکُمْ سِلْمٌ وَاَمْرِیْ لِاَمْرِکُمْ مُتَّبِعٌ (میرا قلب آپ کے قلب کے لئے مطیع کامل ہے اور میرا ہر کام تمہارے کاموں کے مطابق ہے) یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے۔ اس میں آپ کا دل زبان کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں؟ یہ ایمان ہے یا نفاق؟

(۲) اور دیکھئے عید کی نماز میں جو دعائے قنوت آپ پڑھتے ہیں اس میں دعا کرتے ہیں اَدْخِلْنِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اَدْخَلْتَ فِیْهِ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ اَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ (بار الٰہا مجھے بھی ان ساری نیکیوں میں داخل کر دے جن میں تو نے محمد و آل محمد کو داخل کیا۔ اور مجھے بھی ان تمام برائیوں سے نکال دے جن سے تو نے محمد و آل محمد کو نکالا) آپ کی اس تمام عرضداشت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہم کو بھی ان ہی کی مثل خطاؤں سے محفوظ کر دے تاکہ ہم بھی معصوم کے غلام بن سکیں اور جس طرح سے انھوں نے دنیا میں زندگی گذاری اسی طرح سے زندگی گذارنے اور ان ہی کی طرح دنیا کا ہر کام کرنے کے قابل بنا دے یعنی ہم کو ان کا پورا پورا اتباع کرنے اور ان کی پوری پوری نقل کرنے کی اہلیت عطا فرما دے۔ اب فرمایئے کہ آپ کی یہ دعا دل سے ہوتی ہے یا زبان سے۔ یہاں دل زبان کے ساتھ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا تو اب تک اس کا کچھ اثر بھی دیکھ لیتے اگر نہیں ہوتا تو اب آپ ہی فرمایئے کہ یہ ایمان ہے یا نفاق؟

(۳) اور دیکھئے دعائے سحر مختصر جو امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے جس کو آپ رمضان المبارک میں سحر کے وقت پڑھتے ہیں اور اس کو ہمو ٹے (؟) طرح پڑھ لینے کو باعث ثواب عظیم سمجھتے ہیں اس کا دعا آخری حصہ تو ملاحظہ ہو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا تُبَاشِرُ بِهٖ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَنْ یُصِیْبَنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ وَرَضِّنِیْ مِنَ الْعَیْشِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ،

(ترجمہ ۔ یا اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس سے میرے دل کو بشارت ہو، یعنی قلب روشن ہو جائے اور ایسے سچے یقین کا سوال کرتا ہوں کہ میں یہ جان جاؤں کہ مجھے تو کوئی غم کوئی تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی مگر وہ جو تو نے میرے لئے مقرر فرما دی ہے اور اس زندگی سے مجھے خوشنود کر دے جو تو نے میرے حصہ میں قرار دی ہے ۔) مطلب یہ ہے کہ ہر بلا و مصیبت، ہر تکلیف و آفت جو کچھ بھی مجھے زندگی میں پہنچیں ان پر خوش رہنے کی طاقت عطا فرما دے ۔ کہئے یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے یہ ایمان ہے یا نفاق؟ ــــ اور دکھلا دوں؟ کچھ اور دیکھنا چاہتے ہو؟ میں تو اس قسم کی ہزاروں مثالیں آپ کو دکھلا سکتا ہوں؟

عزادار ۔ ہاں بھائی! کچھ اور بھی دکھلا دو اب تو حیرت بڑھتی جاتی ہے، اور وہ کبر و نخوت اور غرور جو اپنے کو جنتی سمجھنے کا نفس میں تھا کم ہوتا جاتا ہے ۔

عارف ۔ اچھا دیکھئے میں آپ کو چند فقرے زیارت جناب امیر علیہ السلام کے دکھاتا ہوں اور اسی پر بس کروں گا ۔ کیونکہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ۔ سنئے آپ کہتے ہیں ۔

(۱) السلام علیک یا ابی الائمۃ و معدن النبوۃ (سلام ہو تجھ پر اے اماموں کے باپ اور نبوت کی کان) اب آپ یہ بتلایئے کہ نبوت کی کان کا آپ کیا مفہوم سمجھتے ہیں ۔ کان تو اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے معدنیات نکلتے ہیں ۔ آپ کیا سمجھ کر کہتے ہیں اور جب بغیر سمجھے کہا تو آپ کا دل زبان کا ساتھ کیسے دے سکتا ہے؟ اب آپ اپنی ہی زبان مبارک سے فرمایئے کہ یہ ایمان ہے یا نفاق؟

(۵) اس کے آگے ہے السلام علیک یا میزان الاعمال و مقلب الاحوال (سلام ہو تجھ پر اے اعمال کی ترازو اور اے احوال کے بدلنے والے) آپ نے تو یہ سمجھا ہوگا

کربلا میں کوئی لوہے یا لکڑی کی ترازو آکر کھڑی ہو گی جس کے ایک پلڑے میں نیکیوں کی گٹھڑی اور دوسرے میں بداعمالیوں کا وزنی بورا رکھدیا جائے گا۔ گویا دربار ذوالجلال ایک بنئے کی دکان ہو گی جہاں اعمال کا تولا ہو گا اور برکت ۔۔۔ برکت ۔۔۔ برکت ۔۔۔ دو داں ۔۔۔ دو داں ۔۔۔ دو داں کی صدائیں بلند ہونگی۔ اگر علی کو میزان الاعمال سمجھتے تو طفیلیت میں والمیزان حق علی کی گواہی دینے کے بعد علیحدہ کیوں بیان کرتے۔ اور مقلب الاحوال تو آپ اور آپ کے علمائے کرام خدا کو سمجھتے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ آپ یہ دل سے کہتے ہیں یا زبان سے؟ یہ ایمان ہے یا نفاق؟

دیکھئے آپ آج تک میزان کا کیا مطلب سمجھے ہوئے تھے۔ لیجئے اب میں آپ کو قرآن سے دکھلاتا ہوں قرآن کہتا ہے وَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ جس کا ترجمہ تمام علمائے کرام کے تصدیق کردہ ترجمہ قرآن مترجمہ مولوی فرمان علی صاحب مرحوم میں یہ لکھا ہے۔ "تو جس کے نیک اعمال کے پلّے بھاری ہوں گے وہ من بھائے عیش میں ہو گا"

اب ذرا اس کے لفظی ترجمہ پر آپ خود ہی غور کریں کہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ جس کی میزانیں یعنی ترازوئیں ثقل (یعنی بوجھ۔ وزن) ہونگی وہ خوشنودی کی زندگی میں ہو گا یعنی رضائے الٰہی اور حیات ابدی اس کو مل جائیگی۔ اب آپ خود ہی ملاحظہ فرمالیں کہ آ[illegible]کے مولوی صاحب کا ترجمہ کس قدر غلط اور گمراہی میں ڈالنے والا ہے اور اسی طرح کی سیکڑوں غلطیاں اس ترجمہ میں ہیں۔

اب دیکھئے میں آپ کو میزانیں اور ثقل دکھاتا ہوں۔ میزان کے متعلق تو بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت ائمہ معصومین علیہم السلام ہی میزان اعمال ہیں۔ سرورِ کائنات صلعم نے کبھی علیؑ کو میزان بتایا تو کبھی پنجتن پاک کو ترازو بتایا، جس کا محور یا مرکز خود اپنے کو فرمایا اور حضرات معصومین کے اقوال بھی موجود ہیں جن میں

فرمایا ہے نحن موازین الاعمال یعنی اعمال کی ترازوئیں ہم ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ نقل کیا ہے۔ اس کو رسول سے دریافت کرلو حضور نے فرمایا ہے اِنّی تارِکٌ فِیکُمُ الثَّقلَین کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی اَھلَبَیتی ..... الخ ترجمہ تحقیق کہ میں تم میں دو ثقل (بھاری بوجھ) چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری اولاد جو میرے اہلبیت ہیں ...... تا آخر) اب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ میزانوں کے ثقل ہونے سے کیا مراد ہے۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال قرآن و اہلبیت کی ترازو پر تولے جائینگے۔ اب آپ دریافت کرینگے کہ تولنے کا مطلب کیا ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو آپ اپنی زبان میں بھی بولتے ہیں کہ پہلے تولو بعد کو بولو تو کیا اپنی بات کو آپ ترازو و بٹوں سے تولتے ہیں۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بات کی بھلائی اور برائی کا موازنہ کرلو۔ اس کی برائی اور بھلائی کو سامنے رکھ کر دیکھ لو اور یہی مفہوم ہے آیۂ قرآنی اَلوَزنُ یَومَئِذِنِ الحَقُّ کا (تولنا آج کے دن حق ہے) پس اگر قرآن میں میزان کا ذکر نہ ہوتا تو ہم اس آیت سے نیکی اور بدی کا موازنہ سمجھ لیتے مگر وہاں تو میزانوں کا ذکر موجود ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن اور اہلبیت کے اعمال سے لوگوں کے اعمال کا موازنہ کیا جائے گا کہ ان کے اعمال سے یہ اعمال کہاں تک ملتے ہیں؟

(۶) اس سے آگے ہے اَلسَّلامُ علیٰ صالح المؤمنین و وارث علم النبیین و الحاکم یوم الدین (سلام ہو نیک ترین مومنین پر اور نبیوں کے علم کے وارث پر اور قیامت کے دن کے حاکم پر) اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ علی کو حاکم یوم الدین سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ آپ دل سے کہتے ہیں یا صرف زبان سے۔ پھر اسی کے آگے ہے۔ اَلسَّلامُ علیٰ شجرۃ التقویٰ و سامع السر و النجویٰ و منزل المن و السلویٰ یعنی سلام ہو تقویٰ کے درخت پر اور پوشیدہ رازوں اور مشوروں کے سننے والے پر اور من و سلویٰ کے نازل کرنے والے پر) غرضکہ یہ تمام کی تمام زیارت اسی قسم کے عجائبات

سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا مفہوم صحیح تو آپ اس وقت سمجھ سکتے اور اس وقت سمجھ کر کہہ سکتے کہ جب ائمہ علیہم السلام کی تباہی ہوئی توحید آپ کے مروجہ مذہب میں موجود ہوتی آپ کے مذہب میں تو یہ تمام صفات الہیہ سمجھی جاتی ہیں۔ افسوس کہ اب وقت میں گنجائش نہیں ورنہ میں سیکڑوں حدیثیں اور ادعیہ کے فقرے ایسے دکھاتا جس سے آپ کو پتہ چل جاتا کہ آپ کے مذہب میں جو مفہوم ان کا لیا جاتا ہے وہ ائمہ علیہم السلام کے مفہوم کے بالکل مختلف ہے۔ اب خود غور کرلیں کہ اہلبیتؑ کا مذہب تو تمام کا تمام شعوری ہے اور آپ کا مروجہ مذہب تمام کا تمام لاشعوری۔ اب آپ خود ہی غور کرلیں کہ یہ سب سے بڑا نفاق نہیں تو اور کیا ہے۔

عزادار ۔ بھائی آپ نے تو میرے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ میں تو بالکل مبہوت ہو گیا۔ آپ نے وزن اعمال کے متعلق جو کچھ بیان کیا تھا میرے ذہن میں کچھ آیا ہی نہیں۔ اب ایک حدیث یاد آئی۔ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اعمال کا تولا جاتا کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا تمہاری نیکیوں کا اعمالنامہ بدیوں سے موازنہ کیا جائیگا اور آپ نے اس حدیث کی تکذیب کر دی۔ آپ کس قدر جرأت کر رہے ہیں؟

عارف ۔ بھائی میں کسی حدیث کی تکذیب نہیں کرتا۔ آپ غور و فکر تو کرتے نہیں فقط لفظوں کی پرستش کرتے ہیں۔ بھائی صاحب آپ غور کریں تو بات کی تہ کو پہنچیں اور حقیقت سمجھ میں آئے۔ میاں بات یہ ہے کہ حضور سرکار دو عالم اور حضور کے اہلبیت معرفت کامل پر فائز ہیں۔ شعور کامل ہیں۔ ان حضرات کے پاس جانے والے۔ ان سے سوال کرنے والے ایسے بھی تھے جن کے ذہن بالکل تربیت یافتہ نہ تھے۔ اور ایسے بھی تھے جو نیم تربیت یافتہ تھے اور تھوڑا بہت شعور حاصل کر چکے تھے اور ایسے بھی کہ جن کو کافی شعور حاصل ہو چکا تھا۔ غرضکہ ہر ذہنیت کے اشخاص ان حضرات سے سوال کرتے رہتے تھے تو ان کا فریضہ تھا کہ ہر شخص کو اس کی ذہنیت اور اس کے شعور کے مطابق جواب

دیں۔ اور کلموا الناس علی قدر عقولھم (لوگوں سے ان کے عقل کے اندازہ کے مطابق بات کرو) کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی لاشعور شخص کے سامنے وہ بات کہدی جائے جو صاحبانِ شعور سے کہنی چاہیئے تو وہ گمراہ ہو جائے گا یا مجنون ہو جائے گا۔ اسی بات کو قرآن کہتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالے تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق) پس ابتدا میں جب کہ کل لاشعوری ہوتی ہے تو ان کو شعور حاصل کرنے کے راستے کی طرف ان کی فہم کے مطابق بتلایا جاتا ہے۔ جوں جوں شعور بڑھتا جائے گا۔ حقیقت منکشف ہوتی جائیگی۔ اس کی مثال آپ ایسی سمجھ لیں کہ جیسے باپ اپنے چھوٹے بچہ کو ڈرانے کے لئے کہتا ہے کہ توے پر چڑھی پیٹ میں گھس جائے گی۔ بی بی شادی تم کو پکڑ لینگی۔ بجوے کی گاڑیاں آجائینگی۔ لولو آجائیگا یا ایسے بچہ سے جو رفع حاجت کے لئے جاتا اور کپڑے نجس کر لاتا ہے باپ کہیگا کہ بیٹا پاجامہ اتار کر پاخانہ جایا کرو۔ اب غور فرمائیں کہ بچہ کی اصلاح کے لئے یہی باتیں ضروری ہیں یا نہیں اور ان میں کون سی بات جھوٹ ہے۔ بچہ اپنے تصور میں توے چڑھی۔ بی بی شادی۔ بجوے کی گاڑیاں اور لولو کی ایک بھیانک تصویر قائم کر لیتا ہے اور اس سے خوف کھا کر برائیوں سے بچ جاتا ہے جیسے جیسے شعور حاصل کرتا جاتا ہے حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے۔ بالآخر سمجھ لیتا ہے کہ توے پر چڑھی ہوئی روٹی روز پیٹ میں جاتی ہے۔ بی بی شادی کا مفہوم بھی سمجھ لیتا ہے۔ بجوے کی گاڑیاں بھی دیکھ لیتا ہے کہ غلہ سے بھری ہوئی گاڑیاں آرہی ہیں۔ لولو کے معنی بھی جان لیتا ہے کہ موتی کو کہتے ہیں اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ سچ تھا۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں رسول اور آل رسول کا تقیہ یہی ہے۔ وہ بھی امت کے باپ ہیں اور ہم سب لاشعور بچے۔ ان کا فرض ہے کہ دنیائے حقیقت کے لاشعور بچوں سے ان کی سمجھ کے مطابق ایسی بات کہیں جس سے وہ خائف ہو کر برائیوں سے بچیں اور شعور حاصل کرنے کے راستے پر بہ آسانی چل سکیں۔ جب ان کو شعور آنے لگیگا تو اس کلام کا مفہوم حقیقی خود ہی سمجھ لینگے

اور حقیقت ان پر آشکار ہو جائیگی تب وہ بھی دوسروں سے انکے شعور کے مطابق بات کرنے لگیں گے۔ تقیہ ان پر بھی واجب ہو جائے گا۔

اچھا اب میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر ایک بیس سالہ جوان صاحب ریش اپنے ہمسنوں اور زیادہ عمر والوں سے یہ کہتا پھرے کہ تو سے چڑھی تمھارے پیٹ میں گھس جائیگی۔ بی بی شادی تم کو پکڑ لیگی۔ پاجامہ اتار کر پائخانہ جانا چاہئے۔ والد مرحوم اعلی اللہ مقامہ یہی فرمایا کرتے تھے تو تبلایئے اس میں باپ کا کیا قصور ہے؟ اسی طرح اقوال تو تمام کے تمام ائمہ علیہم السلام کے ہی ہیں۔ احادیث تو سب رسول ہی کی ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ تمام فرقِ اسلامیہ میں تشکیل مذہب ان لوگوں نے کی ہے جو مکمل لاشعوری کی حالت میں رہتے تھے۔ اور معرفت کی تم اور حقیقت کی رح سے بھی واقف نہ تھے۔ لہذا انھوں نے اپنے فرقے کے عقاید کی بنا محض ان احادیث اور روایات کو قرار دے لیا جو لاشعوروں سے بیان کی گئی تھیں۔ پیچھے آنے والوں نے اسی کو حقیقت سمجھ لیا اور تو سے چڑھی اور بی بی شادی کی تفصیلیں اپنے قیاس سے بیان کرنی شروع کر دیں۔ اور قیاس آرائیاں کر کر کے علوم کے دریا بہا دیئے، کتابوں کے انبار لگا دیئے۔ یہ حقیقت اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ کوئی صاحب معرفت لاشعوری کی باتیں کتابوں میں نہ لکھے گا اور سوائے راہ شعور اور اصلاح نفس اور چیزوں پر کتابیں نہ لکھیگا۔

اب بھی آپ سمجھے یا نہیں کہ آپ کے مذہب کی تمام و کمال بنیاد تو سے چڑھی، بی بی شادی۔ بجوے کی گاڑیاں اور لولو باوا جیسی احادیث پر مبنی ہے پھر آپ کسی چیز کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ دیکھئے قیامت میں ترازو کھڑی ہو گی جس کے ایک پلہ میں نیکیاں اور دوسرے میں بدیاں رکھی جائینگی یہ بھی قول رسول اور نامۂ اعمال کا موازنہ ہوگا یہ بھی قول رسول اور اعمال کی ترازو علی ہے یہ بھی قول رسول، اب آپ یہ تبلایئے ان میں کونسی حدیث کی آپ تکذیب کریںگے سا کچھ تو علم الرجال کی طرف

رجوع کرنا ہوگا جو ان لوگوں کا بنایا ہوا ہے جو مکمل لاشعوری کی حالت میں تھے۔ آپ ان احادیث کی توثیق میں عمر کا معتد بہ حصہ ضائع کر دینگے اور جب تینوں حدیثیں معیار توثیق پر پوری اترینگی تو نجاست تمسک میں مبتلا ہو جائینگے،

اگر بجائے اس دردسر کے آپ خود غور و فکر کرتے تو آپ کی سمجھ میں آجاتا کہ بجائے اعمال تولے جانے کی چیز نہیں۔ پہلی حدیث تو تقیہ ہے اب دوسری پر غور کرتے کہ جب تک حب اہلبیت یعنی حب رسول جو عین حب اللہ ہے کسی کو حاصل نہ ہولے اس کے نیکی کے اعمالنامے پر تو کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا لہذا ایسے شخص کا تو نیکی کا اعمالنامہ ہی نہ ہوگا۔ اور جب حب اللہ پیدا ہو جائیگی تو بدیاں نامۂ اعمال سے محو ہو جائینگی اور وہ خطاؤں سے محفوظ ہو جائیگا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں) اسی کو رسول نے فرمایا حُبُّ عَلِيٍّ يَاكُلُ الذُّنُوبَ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (علی کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو) پس حب علی جو عین حب رسول اور حقیقتہً حب اللہ ہے جس وقت دل میں پیدا ہو گئی تو پھر بدی رہ نہیں سکتی۔ اس حالت میں بھی اعمالنامہ ایک ہی ہوگا۔ پھر موازنہ کس چیز سے کیا جائے گا لہذا دوسری حدیث بھی مبنی بر تقیہ ہے اور ایسے شخص سے بیان کی گئی ہے جو پہلے سائل کی نسبت کچھ زیادہ شعور رکھتا تھا تیسری حدیث کی توثیق قرآن میں فَاتَّبِعُونِي (یعنی میرے جیسے کام کرو) سے اور حدیث میں صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (نماز پڑھو اس طرح جیسے کہ تم دیکھتے ہو میں پڑھتا ہوں) سے ہوتی ہے۔ اور اسی مضمون کی بیشمار حدیثیں ہیں کہ رسول اور آل رسول کی نقل کرو۔ اب بھی آپ سمجھے کہ صاحبان شعور کے لئے تیسری حدیث ہی ہے۔

اسی طرح سے اور ایک آیت دکھلاتا ہوں۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور لیکن جو اپنے رب کے

سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے باز رکھا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ شعور حاصل کرنے کا یہ راستہ قرآن نے بتایا ہے اور حصول جنت کا انحصار نفس کشی پر کیا ہے کہ جس کام کو جی چاہے اس سے باز رہو۔ نفس کی خواہش سے کوئی کام نہ کرو۔

عزادار۔ واہ جناب آپ نے یہ ترجمہ بالکل غلط کیا۔ مولوی فرمان علی صاحب کے ترجمہ میں تو یہ لکھا ہے "مگر جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو ناجائز خواہشوں سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانا یقیناً بہشت ہے۔" یہ ترجمہ صحیح ہے۔ ہوئی تو کہتے ہی ہیں بری خواہش کو۔ اس لئے کہ اگر ہر خواہش سے نفس کو روکنا ضروری ہے تو خواہش تو نماز پڑھنے کی بھی ہوتی ہے۔ وضو کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ خواہش تو استنجا کرنے اور طہارت کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ لہذا آپ نے ترجمہ بالکل غلط کیا۔

عارف۔ بھائی صاحب! آپ کی تو تمام باتیں لاشعوری کی ہوتی ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اردو میں "ہوئی" کا ترجمہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ عربی میں تو دو لفظ ہیں شہوت اور ہوئی۔ اور فارسی میں صرف ایک خواہش اور اردو میں صرف ایک۔ چاہ۔ اب سمجھو کہ شہوت تو اس خواہش کو کہتے ہیں کہ جو خود بخود نفس میں ہی پیدا ہو۔ مثلاً بھوک، پیاس اور نفس کی گہرائی میں حالت لاشعوری میں مال کی، اولاد کی، عورتوں کی خواہش بھی پڑی ہے۔ یہ سب شہوات ہیں اور جب خارجی اثر سے متاثر ہو کر کسی چیز کے کھانے کو جی چاہے یا مال، اولاد اور عورتوں کی خواہش نفس میں پیدا ہو اور دل میں کشش اور جوش ہو ایسی خواہشات کو عربی میں ہوا کہا جاتا ہے۔ اس میں جائز ناجائز کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے کہ نفس کو جب کسی کام کی عادت پڑ جاتی ہے خواہ وہ جسمانی ورزش ہو یا مذہبی رسم تو وہ تکلیف جو اس کام میں نفس کو پہنچتی ہے اس کا ایسا ہی عادی ہو جاتا ہے جیسے افیون کا یا اور نشوں کا۔ کہ جہاں وقت آیا اور اس نے مانگا کہ میری غذا لاؤ۔ لہذا کوئی کام بھی ہو نماز ہو یا روزہ اگر رسماً و عادتاً

ہے تو بیکار ہے۔ مفید کام تو وہ ہوگا جو عقل کے حکم سے ہو نہ کہ نفس کی خواہش سے۔

اب بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ میں جو معنی "ہوئی" کے بیان کر رہا ہوں وہ شعور سے کہہ رہا ہوں۔ سمجھ سے کہہ رہا ہوں اس لئے کہ اگر "ہوئی" کے معنی "ناجائز خواہش" یا "ناجائز خواہش کرنا" ہی صحیح ہیں تو ذرا اس آیت کا ترجمہ کر دیجئے۔ "کُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۞" دیکھئے میں اس کا لفظی ترجمہ کرتا ہوں "جب بھی آیا ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز کے ساتھ یعنی ایسی چیز لے کر کہ خواہش نہ کرتے تھے نفس ان کے کسی کو انھوں نے جھٹلایا اور کسی کو انھوں نے قتل کر دیا۔" ہاں حضور اب فرمایئے لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ کے معنی کیا ہوئے۔ آپ کے ترجمہ کے مطابق تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ ناجائز خواہش نہ کرتے تھے نفس ان کے۔ اب بھی شرم کرو اور اس لاشعوری کے نفاق سے نکلنے کی کوشش کرو کہ تمام کا تمام مذہب توے چڑھی اور بی بی شادی پر قائم کر رکھا ہے اور اس توے چڑھی اور بی بی شادی کی تصوری اور قیاسی شکل کی تفسیروں اور تشریحوں میں کتب خانے کے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اسلام کا مقصد نہ سمجھے۔ اس نے تو راہ شعور پر ڈالا تھا اگر اس پر چلتے تو کتب مذہبی کے ہزار اونٹوں کے بارسے گدھوں کی طرح لدے لدے نہ پھرنا پڑتا۔ اب بھی آپ سمجھے کہ قیاسی ترجمے سب وحی شیطانی ہیں۔ اسی طرح کی اس ترجمہ میں اور دیگر تراجم میں ہزاروں اغلاط ہیں جو باعث گمراہی خلق اللہ ہو رہی ہیں اور یہی نفاق عظیم ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن اور اہلبیت کی تبلائی ہوئی علامات ایمان میں سے آپ اپنے نفس میں ایک بھی نہ پائیں گے۔

عزادار۔ بھائی صاحب! آپ شعور و لاشعوری جو تکرار کہہ رہے ہیں اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

عارف۔ جناب پہلے تو آپ اس حق پر غور کریں اور سوچ کر تبلائیں کہ یہ

جو آپ کہتے ہیں کہ آج مٹھائی کو جی چاہتا ہے یا فلاں کام کرنے کو جی چاہتا ہے یا کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ کون چاہتا ہے؟

عزادار۔ جناب ہمارا تو دل چاہتا ہے۔ دل ہی تمام جسم کا حاکم اور امام ہے ساری خواہشیں دل سے ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر کیسی عجیب چیز ہے۔ ایک گوشت کا لوتھڑا اور رب جلیل کی سیرگاہ۔

عارف۔ بھائی جان! اگر دل چاہا کرتا ہے اور گوشت کا لوتھڑا ہی اصل چاہنے والا ہے تو مردہ کا دل بھی چاہا کرتا ہے یا نہیں۔ دل تو اس دم بھی ہوتا ہے اور اسی جگہ ہوتا ہے۔

عزادار۔ اس میں تو جان ہی نہیں ہوتی وہ کیسے چاہے گا۔ مگر اصل میں چاہنے والا دل ہی ہے۔ بہت سی احادیث میں جسم کا امام دل ہی کو بتلایا گیا ہے اگر چاہنے والی کوئی اور چیز ہوتی تو اسی کو حضور رسول کریم تمام جسم کا امام کیوں نہ کہتے؟

عارف۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ کو شعور نہیں ہے۔ آپ نے خود ہی کہہ دیا کہ مردہ میں جان نہیں ہوتی مگر وہ بھی لاشعوری میں کہا۔ آپ نے خود یہ نہ سمجھا کہ میں نے کیا کہا جب بغیر جان کے دل نہیں چاہ سکتا تو اصل چاہنے والی تو جان ہی ہوئی اور دل اس کا ایک آلہ۔ اسی چاہنے والی جان کو نفس کہتے ہیں۔ آپ نے احادیث میں تو دل دیکھ لیا مگر قرآن میں نفس نہ دیکھا کہ جگہ جگہ ذکر ہے کہ ان کے نفس نہ چاہتے تھے۔ وہ اپنے نفسوں کو دھوکہ دیتے تھے وغیرہ۔

عزادار۔ بھائی صاحب! یہ تو عجیب بات ہے اگر چاہنے والی جان اور نفس ہی ہے تو جان تو سارے جسم میں ہے۔ پھر ہر خواہش کا اثر دل پر ہی ایسا کیوں معلوم ہوتا ہے۔ اور بیشمار حدیثوں میں دل کو کیوں امام کہا گیا ہے؟

عارف۔ پیارے بھائی! بات یہ ہے کہ نفس انسانی جس کو آپ جان بھی کہتے

تمام جسم میں ہے اور خون میں بہت باریک کیڑے ہیں جو بڑی طاقت کی خوردبین سے نظر آسکتے ہیں اور اسی قسم کے باریک کیڑے دنیا کی ہر چیز میں ہیں ان کو جراثیم کہتے ہیں جب نفس میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے یا کسی جذبہ سے متاثر ہوتا ہے مثلاً خوشی سے یا غم سے یا ہمدردی سے۔ تو خون کے ہر کیڑے پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو خود نفس پر ہے اور چونکہ تمام جسم کے خون کے دورہ کا مرکز دل ہی ہے۔ اس لئے اس خواہش یا جذبہ کا اثر سب سے زیادہ دل پر محسوس ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہر بچہ اور وہ شخص جس کو ان باتوں کا شعور نہیں ہے خواہش کرنے والا اور اثر قبول کرنے والا دل کو ہی سمجھتا کر اب بھی آپ سمجھے کہ جن احادیث میں دل کا ذکر کیا گیا ہے اس کے مخاطب آپ ہی جیسے لاشعور لوگ تھے۔ اب بھی آپ کو شعور ہوا کہ نفس ہی کو احادیث میں قلب کہا گیا ہے۔

عزادار۔ بھائی صاحب بشعور کے متعلق آپ نے کچھ نہ بتلایا اس کو میں اچھی طرح نہ سمجھا۔

عارف۔ میں نے تو اچھی طرح وضاحت کر دی۔ اب بھی آپ کو شعور حاصل نہ ہو تو تعجب ہے۔ خیر اگر آپ اور وضاحت چاہتے ہیں تو سنئے۔ مگر یہ چیز ایسی ہے کہ جب تک آپ غور نہ کرینگے آپ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور آپ کو "شعور" کا شعور حاصل نہ ہوگا۔ دیکھئے ــــ میں کہتا ہوں۔ "گھننن" آپ کے نفس پر اتنا بھی اثر نہ ہوا جتنا کہ کھٹکے کا یعنی ایسی آواز کا جو ایک چیز کے دوسری پر گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی اثر آپ کے نفس نے اس کا قبول کیا یا نہیں؟

عزادار۔ نہیں، بالکل نہیں۔ بلکہ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سُنا ہی نہ تھا۔

عارف۔ اچھا سنئے! گھننن ہن ہجن میں ایک پر تر ہوتا ہے۔ اب میں کہتا ہوں "ہمجیں ــــ" اب آپ کے نفس پر کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ کچھ نہ کچھ سمجھ میں آیا اب

اس دفعہ وہ سُنی ان سنی کیفیت پیش نہ آئی۔ اب اور مثال لیجئے۔ میں کہتا ہوں "مَرکُل"
بتایئے کچھ شعور ہوا؟

عزادار۔ کچھ نہیں۔ ایک کان سے پڑا دوسرے سے نکل گیا۔

عارف۔ مرکل برما میں ایک پھل ہوتا ہے۔ اب پھر سنو "مرکل" کہو اب کیا ہوا؟

عزادار۔ ہاں اس مرتبہ پہلے سے کچھ زیادہ اثر ہوا۔ ایک غیر معین پھل کی تصویر
سینہ میں بنی۔

عارف۔ یہ پھل گول لمبوترہ لانبے خربوزے کی شکل کا ہوتا ہے۔ بڑ بل سے مشابہ
اب سنو "مرکل" اب کیا ہوا؟

عزادار۔ ہاں اب پہلے سے بہت زیادہ اثر ہوا سینہ کے اندر ایک تصویر بنی۔

عارف۔ اس پھل کے اندر سے زردی مائل گولے انڈے سے ذرا بڑے نکلتے
ہیں جس کے اندر سے سیاہ رنگ کے بیج چھوٹے بیر کی برابر نکلتے ہیں جیسے کہ شریفہ کے
بیج۔ اب سنو "مرکل"

عزادار۔ ہاں اب اس کے سننے سے پہلے کی نسبت بہت زیادہ اثر ذہن پر پڑا،

عارف۔ اچھا اور سنو، اس کے گودے کا ذائقہ بالکل بڑ حل کا سا ہوتا ہے شیرینی
بھی ویسی ہی ہوتی ہے اور مہک بھی اسی کی مثل۔ اب سنو مرکل اب بتاؤ۔

عزادار۔ ہاں اب پہلے سے بہت زیادہ اثر ہوا۔ ساری باتیں نفس پر نمایاں ہو گئیں

عارف۔ اچھا اب میں کہتا ہوں "بادام"۔ اس کے سننے سے آپ کے نفس میں
ساری کیفیتیں بادام کے متعلق یعنی اس کی شکل وصورت۔ چھلکا گری۔ گری کے اوپر کا چھلکا
اس کا توڑنا۔ اور توڑنے کا طریقہ۔ گری نکالنا۔ کسی بادام سے دو گریوں کا نکلنا۔ گری کو بھگو کر
چھلکا اُتارنا۔ اندر کے مغز کے دو حصے باہر سے نیم گول اندر سے چپٹی سطح اور سفید رنگ ہونا
سب کچھ دفعتہً بجلی کی چمک کی طرح ذہن میں آگئے اور اس کے ساتھ ہی نہایت خفیف

اس کے ذائقہ کی کیفیت بھی محسوس ہوئی جو اس قدر خفیف ہے جس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس کو شعور کہتے ہیں۔ مگر یہ بھی شعور تام نہیں (یعنی وہ پورا پورا شعور جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں) جو کیفیت نفس پر اس وقت وارد ہوتی ہے جبکہ مغز بادام کا ذائقہ زبان اور تالو سے چکھ رہے ہوں۔ وہ کچھ اور ہوتی ہے۔

پس اگر وہ کیفیت بھی ان تمام تفصیلی کیفیات کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئیں نفس پر تمام وکمال وارد ہو جائے تب شعور تام ہوگا۔ اور یہ کیفیت شعور ہر شخص میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک ضعیف الشعور نفس پر بادام سننے سے صرف اس کی صورت اور مغز کا تصور ہوتا ہے۔ جیسا جیسا شعور نفس میں بڑھتا جائے گا بادام سننے سے اس کی کیفیات احساس بڑھتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جس کا نفس شعور تام حاصل کئے ہوگا۔ اس پر تمام وکمال کیفیات مع احساس ذائقہ طاری ہو جائینگی۔ اور اگر شعور تام منزل کمال کو پہنچ جائے تو صرف لفظ بادام سننے سے مذکورہ بالا کیفیات کے علاوہ جتنی باتیں اس نے بادام کے متعلق سنی ہونگی جیسے کہ کسی شخص نے اس کے سامنے اپنے بادام استعمال کرنے کا بھی ذکر کیا ہو۔ اس کے فوائد سنائے ہوں۔ کوئی واقعہ بیان کیا ہو غرض کہ سننے دیکھنے چکھنے کے ذریعہ سے جتنا بھی بادام کے متعلق۔ بادام کے ذکر کے ساتھ اپنی تمام عمر میں اب تک اس کو معلوم ہو چکا ہے وہ تمام وکمال برقی لہر کی طرح نفس پر وارد ہو جائیگا۔ یہ شعور کی منزل کمال ہے۔

اب بھی آپ سمجھے علیؓ کس طرح اتنی جلدی پورا قرآن ختم کر لیتے تھے کہ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت رکاب میں ایک پیر رکھنا شروع کیا اور دوسری رکاب میں پہنچنے سے پہلے تمام قرآن ختم کر لیا۔ سمجھے شعور ہوا۔ اس کو کہتے ہیں شعور!

اب ذرا اس بات پر بھی غور کیجئے تمام لوگوں کے نفسوں کی طاقت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ مجھے یہ بات نفس جو لاشعور محض ہے) اس کو کسی چیز کا نام سننے سے خفیف سا

اثر محسوس ہوتا ہے۔ وہ حالت ہرگز نہیں ہوتی جو اس کے دیکھنے سے ہوتی ہے مگر جن کو کچھ شعور ہو جاتا ہے ان پر سننے سے بھی وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو دیکھنے سے ہوتی ہے اور اسی طرح منازل شعور میں ترقی ہونے کے باعث کیفیت احساس بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال سنئے! ایک شخص ہمارے سامنے کہتا ہے "کاغذی لیموں" ہمیں کچھ شعور ہوتا ہے۔ مگر کاغذی لیموں دیکھ کر کچھ اور حالت طاری ہوتی ہے جو سننے سے نہ ہوئی تھی۔ پھر اگر کوئی ہمارے سامنے لیموں تراشے تو کچھ اور کیفیت نفس پر طاری ہوتی ہے اور ذرا ذرا منہ میں پانی بھر آتا ہے اور اگر کوئی شخص ہمارے سامنے لیموں چوسے تو اس وقت جو کیفیت وارد ہوتی ہے وہ کچھ اور ہی ہوتی ہے منہ میں پانی خوب بھر آتا ہے اور اگر کچا آم ہمارے سامنے کوئی کھائے تو پھریریاں آنے لگتی ہیں۔ یہ ہیں شعور کے منازل۔ اب کچھ سمجھ میں آیا؟ مگر یہ بھی شعور تام نہ ہوا۔

اب بھی آپ سمجھے کہ ایمان اور نفاق میں کیا فرق ہے۔ خدا و رسول۔ قیامت آل رسول۔ علی حسین ان الفاظ کے سننے سے آپ کو کیا شعور ہوتا ہے اور اگر شعور نہیں ہوا تو زبانی ماننے کو ایمان نہیں کہتے۔ قرآن نے جگہ جگہ منافقوں کے لئے یہی کہا ہے کہ ان کو شعور نہیں۔ وہ شعور نہیں رکھتے لہٰذا ثابت ہوا کہ لاشعوری کو ہی نفاق کہتے ہیں۔

ایمان تو تب ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب تھوڑا بہت شعور حاصل ہونے لگے جس کی علامت قرآن نے یہی بتلائی ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جائیں۔ یہ کم سے کم ایمان ہے۔ اگر اتنا بھی شعور کسی کو حاصل نہ ہوا تو وہ مومن ہرگز نہیں ہے بلکہ منافق ہے۔

اب آپ اپنے نفس کی حالت پر غور کریں کہ جو حالت آپ کے نفس پر علی اور

عین بننے سے ہوتی ہے محمد اور اللہ سننے سے نہیں ہوتی اور اسی طرح اور ائمہ
کے اسماء ہے اور ان کے ذکر سے نہیں ہوتی۔ یہ کیا ہے معرف زبانی مانا ہوا ہے۔
شعور بالکل نہیں۔ اگر شعور پیدا ہو جائے تو جس خلیفۃ اللہ یا اللہ کا نام ہمارے
سامنے لیا جاوے گا قلب لرز سےگا۔ اور خاص کر جب امام عصر کا ذکر ہوگا تو دل تڑپ جائیگا
اور ان تمام چودہ معصوموں کے اسماء میں کوئی فرق دل کو محسوس نہ ہو۔ اس وقت
سمجھیں کہ ایمان کی طرف ہمارا رخ پھرا ہے اور راستہ نظر آ گیا ہے۔ اس کے بعد جتنا
شعور بڑھتا جائے گا اتنا ہی ایمان بھی بڑھتا جائے گا۔ اب آپ سمجھے کہ ایمان کیا
ہے اور شعور کیا ہے اور نفاق لاشعوری کس کو کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن نے
جگہ جگہ غیر مومن کو میّت کہا ہے یعنی اس کا نفس لاشعور ہے اور یہ کہ وہ تاریکیوں
میں پڑے ہوئے ہیں کبھی اس سے نکلنے والے نہیں۔ سمجھے جناب! وہ تاریکی لاشعوری
کی تاریکی ہے کسی اندھیری کوٹھری کا اندھیرا نہیں ہے۔ اب جب کہ آپ نے یہ سمجھ لیا
کہ شعور کس کو کہتے ہیں تو ذرا تبلایئے کہ قرآن کے ایک لفظ کی بھی حقیقت بیان
کرنا کیسے ممکن ہے؟

عزادار۔ نفاق کو تو میں خوب سمجھ گیا مگر یہ تبلایئے کہ آپ نے کافر کا لفظ کس
وجہ سے استعمال کیا؟

عارف۔ میں اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہتا یہ تو قرآن کہتا ہے اور حدیث
کہتی ہے۔ دیکھو قرآن زُیِّنَ لِلَّذِینَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا (زندگانی دنیا کافروں
کی نظر میں زینت دی گئی ہے) اور حدیث رسول ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ
(جو کسی قوم سے مشابہ ہو وہ انہی میں سے ہے) اب آپ ہی تبلایئے کہ جب تک زندگانی
دنیا کی زینت ہماری نظر میں باقی ہے ہم بھی کافروں کی مشابہت کے سبب کافر ہیں
اب آپ سمجھے کہ خدا کو ماننے۔ رسول کو ماننے۔ آل رسول کو ماننے اور تمام دیگر ضروریات

دین کو ماننے سے پہلے تو ماننے والا کفر ظاہری سے نکلتا ہے۔ یہ ماننا صرف زبانی ماننا تو ہے کسی چیز کا بھی اس کو شعور نہیں ہوتا اور کفر باطن سے بھی نہیں نکلتا۔ اگر اپنے باطنی کفر کا شعور ہو جائے تب تو اس سے نکلنے کی کوشش بھی کرے ورنہ ہمیشہ اسی میں گرفتار رہے گا۔

عزادار۔ اچھا صاحب آپ نے ہم کو کافر تو بنا دیا مگر شرک کی کم کیسے پاس کیا، دیکھئے؟

عارف۔ یہ فرمایئے کہ جو لا الہ الا اللہ پر عامل نہ ہو وہ کون ہے؟

عزادار۔ یہ جناب عامل ہونا کیا معنی۔ لا الہ الا اللہ تو کہا جاتا ہے یہ کوئی حکم تو نہیں جس پر عمل کیا جائے۔

عارف۔ سبحان اللہ ابھی تو آپ کو اس کا بھی شعور نہیں کہ لا الہ الا اللہ کرنے کی چیز ہے۔ کہنے کی نہیں۔

عزادار۔ آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کرنا کیسا؟ ہا ہا ہا!

عارف۔ بھائی آپ ہنسیں نہیں بلکہ اس پر غور کریں کہ ایک شخص بتوں کی پوجا بھی کرتا ہے اور لا الہ الا اللہ بھی کہتا ہے وہ مسلمان ہے یا مشرک؟

عزادار۔ واہ جناب ایسا شخص کیسے مسلمان ہو سکتا ہے وہ تو مشرک ہی ہے۔

عارف۔ آپ خود ہی تو فرما رہے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہا جاتا ہے کیا نہیں جاتا اب آپ کی سمجھ میں آیا کہ خدا کے سوا اور معبودوں کی عبادت کو عملی طور پر ترک کر کے صرف اللہ کی بندگی کرنا اور صرف اسی کی عبادت کرنا لا الہ الا اللہ کا عملی طور پر کہنا ہے۔ جو شخص لا الہ پر عمل کر لے وہ الا اللہ کہہ سکے گا ورنہ اپنے قول میں جھوٹا اور منافق ہوگا اور شرک باطنی میں مبتلا رہے گا۔

عزادار۔ ہاں یہ تو درست ہے لا الہ الا اللہ پر واقعی عمل کرنا لازم ہے مگر ہم تو لا الہ الا اللہ پر عمل کرتے ہیں۔

عارف۔ ہاں صاحب آپ تو پورے پورے عالم ہیں ہی۔ ذرا یہ تو بتلایئے اللہ کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ اللہ کے معنی معبود۔

عارف۔ معبود کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ معبود وہ جس کی عبادت کی جائے۔

عارف۔ عبادت کیا ہوتی ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟

عزادار۔ سجدہ کرنا یا ماتھا ٹیکنا۔ رکوع کرنا اور سارے احکام بجالانا۔

عارف۔ اچھا اگر اللہ کے معنی یہی ہیں کہ اس کے آگے سجدہ کیا جائے، رکوع کیا جائے وغیرہ وغیرہ تو کیا کوئی شخص اپنے نفس کے جذبات کو سجدہ کرتا ہے یا خود آپ نے کبھی سجدہ یا رکوع کیا ہے؟

عزادار۔ نہیں، کبھی نہیں۔

عارف۔ اچھا تو پھر آپ اس آیت کا کیا مطلب سمجھتے ہیں۔ آرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنے جذبات کو اپنا اللہ بنایا ہُوا ہے۔ اللہ کے جو معنی آپ نے بیان کئے کیا وہ یہاں صادق آسکتے ہیں؟

عزادار۔ نہیں۔ وہ معنی تو یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتے۔

عارف۔ بھائی صاحب یہی تو میں کہتا تھا کہ آپ کو لا الٰہ کے معنی بھی معلوم نہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے معنی "مطاع مطلق" ہیں۔ وہ ہستی جس کے حکم پر بلے چون و چرا اور بے سوچے سمجھے عمل کیا جائے اللہ ہے۔ اب بھی آپ سمجھے کہ ہمارے لئے ہمارے خواہشات و جذبات ہی اللہ ہیں۔

ایک مثال سے یہ بالکل واضح ہو جائے گا دیکھئے کسی شخص کو خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کباب کھائے تو کیا وہ کبھی بھی اس پر غور کریگا کہ میں کباب کیوں کھاؤں۔ کباب

کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ کباب کھانے سے کیا فائدہ ہے؟ آپ ہی بتلایئے!

عزادار۔ نہیں ہرگز نہیں، وہ کبھی اس پر غور نہ کریگا۔

عارف۔ جی ہاں درست فرمایا وہ تو صرف اسی پر غور کریگا اسی کو سوچیگا کہ میں کباب کیسے کھاؤں۔ کباب کھانے کی کیا تدبیر کروں۔ یہاں تک کہ اگر ممکن ہوا تو کھالے گا۔ اب بھی آپ سمجھے یا نہیں کہ جب تک خواہشات و جذبات کے بیچون و چرا تشفی کرنے کو آدمی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہے اس نے لا الہ پر پورا عمل ہی نہیں کیا اور جب عمل ہی نہ کیا تو اشہد ان لا الہ الا اللہ کی دل سے تصدیق نہ کی پس جب تک دل سے تصدیق نہیں مومن نہیں بلکہ منافق ہے اور جب لا الہ الا اللہ ہی پر ایمان نہ لایا تو محمد رسول اللہ کہنے سے مومن کب ہو سکتا ہے اور علی ولی اللہ کہہ لینے سے مومن کہاں بن سکتا ہے۔

اب آپ ہی فرمائیں کہ خود آپ ہی نے جو بارہ شرائط پیش کی تھیں جن کے موجود ہوتے ہوئے حسین پر رونے سے جنت واجب ہو جاتی ہے ان میں سے کون سی شرط پر آپ پورے اترے اور جب آپ ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہیں کر رہے تو یہ شیطان کا دل میں حلول کر جانا ہے یا نہیں کہ اس نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تم پر جنت واجب ہو چکی ہے پھر کچھ کوشش کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔

غور کرو اور سوچو کہ انسانیت اور حیوانیت میں کیا فرق ہے۔ حیوان کو صرف خواہشات و جذبات دیئے گئے ہیں اس کو گھاس نظر آئی اور خواہش ہوئی کہ گھاس کھائے اسی وقت خواہش کی تعمیل کریگا۔ بازار میں دکان پر غلہ نظر آیا خواہش ہوئی کھانے لگا۔ دکاندار نے مارا۔ اذیت پہنچی ہٹ گیا اور پھر اسی طرف منہ بڑھایا جب اس نے ڈنڈا لیکر تعاقب کیا تو خوف پیدا ہوا بھاگا۔ پھر لوٹ آیا۔ اس وقت اگر دکاندار کو دکان پر نہ دیکھا۔ پھر منہ ڈالدیا۔ مگر جب دور سے وہ ڈنڈا ہاتھ میں

لئے نظر آیا خوف طاری ہو گیا وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ کسی جذبہ یا خواہش کے متعلق غور و خوض نہیں کر سکتا کہ وہ یہ کام کیوں کرے۔ تمام حیوانات اپنی خواہشات و جذبات کی تسکین دے لینے اور تشفی کر لینے پر ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر انسان بھی ایسی حالت میں ہو کہ وہ صرف خواہشات و جذبات کی تشفی اور تسلی کر لینے پر ہی زندگی گذار رہا ہو اور اسی کو مقصد زندگی سمجھا ہوا ہو تو وہ چوپاؤں کی مثل ہے۔ افسوس کہ وقت میں بالکل گنجائش نہیں ورنہ اس کی تفصیل بیان کرتا۔ یہاں صرف دو مثالیں ہی کافی ہیں۔

(۱) غصہ ہی کو دیکھئے۔ اکثر بچے ماں باپ کے غصہ کا شکار ہوتے رہتے ہیں ماں کو غصہ آیا مار لیا۔ باپ کو غصہ آیا مار لیا۔ بھلا غور تو کریں غصہ تو دشمن کے مقابلے کے لئے دیا گیا تھا۔ یہاں وہی حربہ دوست پر استعمال ہو رہا ہے۔ بچہ ایک قابل رحم نادان ہستی اور اس پر والدین کا غصہ۔ اس پر تو غصہ آنا ہی نہیں چاہیئے بلکہ جب بچہ کو تادیب کی ضرورت کا حکم عقل کی عدالت سے صادر ہو تو بناوٹی غصہ سے اس کی حسب ضرورت تادیب کر دینی چاہیئے ورنہ جذبات پرستی ہے۔

(۲) جذبۂ جنسی کا استعمال اگر عقل کے حکم سے محض بغرض حصول مقصد ہو تو باعث اجر عظیم ہے اور اگر بغرض حصول حظ نفسانی اور بغرض تسکین شہوت جسمانی ہو تو پیروی جذبات ہے۔

پس اگر انسان بھی محض تسکین جذبات کو ہی مقصد حیات بنائے ہوئے ہے تو اس میں اور حیوان میں کچھ فرق نہیں۔ اسی کو قرآن کہتا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ (اور جو لوگ روگرداں ہیں وہ فائدہ تھوڑا اٹھاتے ہیں یعنی زندگانی دنیا سے مستفید ہوتے ہیں وہ اسی طرح کھاتے ہیں جیسے کہ چوپائے کھاتے ہیں اور آتش جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہے)

اور دیکھیے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (نہیں ہیں وہ مگر مثل چوپاؤں کے بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ گمراہ) اب غور فرمائیں کہ حدیث ومن تشبہ بقوم فھو منہم کی رو سے ہم چوپاؤں اور کافروں میں سے ہو جاتے ہیں اور حدیث بالا کی تائید قرآن بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ (کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کمائی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کی مثل قرار دینگے جو ایمان لائے اور عمل صالح بجا لائے کہ ان کی زندگانی دنیا اور موت یکساں ہو جائیں یا ایک جیسی ہو جائیں۔ یہ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں) اب بھی ملاحظہ فرمایا کہ رسول وآل رسول کا مشن عربی فارسی میں کچھ چھو منتر سکھا دینے کا نہ تھا۔ بلکہ ان کا مشن یہ ہے کہ آدمی کو جو حیوان محض اور جذبات وخواہشات کا پتلہ ہے حیوانیت سے نکال کر انسانیت میں لائیں اور شعور مجسم اور عقل سلیم بنا دیں اور جب ایسا ہو جائے گا تو اس کا ہر کام عقل کے حکم سے حصول مقاصد کے لئے ہوگا نہ کہ تسکین جذبات کی خاطر۔

یہ ضرور ہے کہ اظہار اسلام سے انسان جماعت اسلامی میں داخل ہو جاتا ہے مسلمان ہو جاتا ہے مگر شرک باطنی اور نفاق لاشعوری سے نہیں نکلتا۔ ایمان لانا تو ایک مشکل کام ہے وہ تو اطاعت خدا و رسول کرتے رہنے سے تدریج حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کو اپنے شرک باطنی کا شعور ہو اور اس کا شعور ہو جانا ہی نفاق سے نکلنا ہے۔ جس قدر شرک میں تخفیف ہوتی جاتی ہے اور نفس کے جذبات کا جوش کم ہوتا جاتا ہے اتنا ہی توحید کا شعور بڑھتا جاتا ہے اور اسی قدر ایمان بھی قلب میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ اگر نفس کی پوری طہارت ہو جائے اور شرک باطنی باقی نہ رہے تو ایمان بھی کامل ہو جاتا ہے اب تو شرک بھی ثابت ہو گیا۔

غزادار۔ یہ تو تمام رہبانیت کی تعلیم معلوم ہوتی ہے بھلا دنیا ترک کئے بغیر نفس کُشی کس طرح ہوسکتی ہے اور دنیا کے تمام کاروبار کا انحصار خواہشات وجذبات ہی پر ہے جب یہ نہ رہیں تو انسان دنیا کے کس کام آسکتا ہے؟

عارف۔ بھائی صاحب اگر خواہشات وجذبات ہی پر دارومدار حیات دُنیا آپ سمجھ رہے ہیں تو وہ تو ایک گدھے میں بھی ہیں۔ پھر فرمایئے کہ ایک گدھا دنیا کی رونق بڑھانے۔ اس کو آباد کرنے اس میں امن قائم کرنے کے لیئے زیادہ مفید ہے یا آدمی؟

غزادار۔ آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں بھلا گدھا کیا کام کرسکتا ہے۔

عارف۔ بس اب سمجھ لیجئے کہ بندگان جذبات کو قرآن گدھوں سے بدتر کہتا ہے اور صاحب شعور اور اہل ایمان انسان ہوتا ہے۔ اب بھی آپ سمجھے کہ خدا ورسول اور آل رسول چاہتے ہیں کہ یہ دنیا کے انسان نما حیوان جو گدھوں سے بدتر ہوتے ہوئے دنیا کی رونق قائم کئے ہوئے ہیں انسان بن جائیں تاکہ دنیا کو جنت بنادیں۔ خاک میں نور چمکا دیں۔

غزادار۔ مجھکو تو یہاں ایک شک پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام خواہشات فطری ہیں۔ ان کی تسکین کی خواہش بھی فطری۔ پس خواہشات وجذبات کی تسکین نہ کرنا غیر فطری معلوم ہوتا ہے اور اسلام دین فطرت ہے کسی غیر فطری امر کا اسلام حکم نہیں دیتا لہٰذا خواہشات وجذبات کی تسکین نہ کرنا اسلام کا حکم کیسے ہوسکتا ہے اور آدمی کے لئے یہ ممکن بھی کب ہے کہ وہ خواہشات وجذبات کو مٹا سکے خود جناب باری تعالےٰ نے فرمادیا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور آپ جو کچھ بیان کر رہے ہیں نفس انسانی کی وسعت سے باہر ہے لہٰذا یہ اسلام کی تعلیم کیسے ہوسکتی ہے ہم کو تو محبت اہلبیت اور حسین پر رونا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔

عارف۔ پیارے بھائی! یہ تو سب نفس کی خود فریبی ہے بار بار سمجھا چکا ہوں

کی تکرار کئے جاتا ہے۔ حسین پر رونے کی شان آپ کو دکھلا چکا ہوں مگر نفس نے پھر وہی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب اس پر بھی غور کیجئے کہ جو حسین پر روئے گا اس پر جنت واجب ہو جائیگی۔ جس کی علامت آرزوئے موت ہے۔ لہذا جس شخص میں علامت وجوب جنت (یعنی آرزوئے موت) پیدا نہ ہو وہ اگر حسین پر رونے کا دعویٰ کرے تو یقیناً جھوٹا ہے اور اگر وہ اپنے کو سچا سمجھے تو محمد و آل محمد کی تکذیب کرتا ہے نفس انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ہی نہیں چاہتا اور ہمیشہ بہانے تلاش کیا کرتا ہے۔

اور نفس کشی کو جو آپ خلاف فطرت کہہ رہے ہیں اس کے متعلق بھی آپ پر واضح ہو جائے گا وہ فطری ہے یا غیر فطری۔ اسلام جو نفس کشی سکھلاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے خواہشات و جذبات جو فضا کے اثر اور جہالت کی نجاست سے مسخ ہو جاتے ہیں ان کو حیات نو عطا کر کے صحیح اور حقیقی بنا دیا جائے۔ وہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ خواہشات و جذبات کا جوش مٹا دیا جائے تاکہ ان کی بیچون و چرا تعمیل پر انسان مجبور نہ ہو بلکہ عقل کی روشنی میں اور عقل کے حکم سے کام لے سکے اس کی ایک مثال بھی سن لیجئے۔ بچہ سے دریافت کریں تو اچھا یا فلاں شے وہ کہیگا میں اچھا۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز کے متعلق دریافت کر جائیں۔ وہ یہی کہتا ہے گا میں اچھا لہذا فطرت صحیح تو یہ ہے کہ آدمی سب سے اچھا بننے اور اچھا رہنے کی کوشش کرے مگر فضا کی نجاست سے یہی خواہش مسخ ہو کر اچھا سمجھے جانے کی خواہش میں تبدیل ہو جاتی ہے یعنی اس کو صرف یہ خواہش رہ جاتی ہے کہ دنیا مجھکو اچھا سمجھے۔ اسی طرح تمام خواہشات و جذبات کا حال ہے اب بھی آپ سمجھے کہ یہ رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے بلکہ عین فطرت ہے۔

اب رہا آپ کا دعویٰ محبت اہلبیت۔ اول تو پہلے ہی دکھلا چکا ہوں کہ یہ

دعویٰ تکذیب اہلبیت کے مرادف ہے۔ دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں مگر مزید تشفی کے لئے اب اس کا آئینہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ محبت کی تفصیل تو بعد میں بیان کرونگا پہلے صرف اس پر غور کیجئے کہ جب کسی محبوب کی مصیبت اور تکلیف کا حال آپ سنتے ہیں تو دل پر چوٹ لگتی ہے غم کی کیفیت نفس پر طاری ہو جاتی ہے۔ آل رسول نے جو مصائب برداشت کئے اور مصیبتوں کے پہاڑ سر پر اٹھائے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ دنیا کے قلوب کو غم سے متاثر کر دیں۔ دلوں میں درد پیدا ہو جائے اگر آپ غور کریں گے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ آپ کا دعویٰ محبت اہلبیت محض نفس کا دھوکہ اور وسوسۂ شیطانی ہے۔ اب اس پر غور فرمایئے کہ جس کو اہلبیت سے محبت ہوگی اس پر ان کے مصائب سن کر غم کی کیفیت کا طاری ہو جانا لازم ہوگا۔ اب آپ اس پر غور کریں کہ مصائب اہلبیت سننے سے آپ کے نفس پر غم کی کیفیت طاری ہوتی ہے یا نہیں؟

عزادار۔ کیوں نہیں پیدا ہوتی۔ ہم تو جب مصائب اہلبیت سنتے ہیں دل پر چوٹ لگتی ہے۔ غم کا اثر ہوتا ہے اور روتے ہیں۔ کیا دل پر اثر ہوئے بغیر کوئی رو سکتا ہے؟

عارف۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کے غم کا! یہی تو میں عرض کرتا ہوں کہ فیضان نے حلول کر کے نفس کی گہرائی میں یہ خیالات ڈال دیئے ہیں اسی وجہ سے آپ کو بھی غم حسین میں مبتلا ہونے کا یقین ہے لہٰذا نفس کبھی غور نہیں کرنے دیتا اور گمراہی اور ہلاکت میں پڑا ہوا ہے۔

عزادار۔ آپ بھی عجیب حضرت ہیں۔ بھائی صاحب یہ جو ہم مجالس میں بیٹھتے ہیں یہ غم میں نہیں روتے تو کیا خوشی میں روتے ہیں؟

عارف۔ خدا کرے کہ آپ حسین کے غم میں مبتلا ہوں۔ افسوس ہے کہ آپ کو یہ یقین کہ ہم محرم میں غم حسین میں مبتلا ہوتے ہیں اس بات کی اجازت ہی نہیں

دیتا کہ آپ اس امر پر غور کریں کہ غم ہوتا کیا ہے اور اس کی کیفیات فطری کیا ہوتی ہیں
لیجئے سنئے اور اپنے نفس سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی فطری کیفیات سے جو فطرت اللہ
ہیں ملاتا جائے تاکہ آپ کا نفس حالت شعوری میں میرے اقوال کی تصدیق کرے
ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے غم کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ غم انگیز خبر سن کر
دل پر چوٹ لگتی ہے۔ دل پھٹتا محسوس ہوتا ہے (حالانکہ حقیقتاً دل کچھ سکڑ تا ہی ہے)
دل کے اندر ایک خلا محسوس ہوتا ہے جس سے فوراً دل تڑپنے لگتا ہے اور سخت اضطراب
نفس کو لاحق ہوتا ہے۔ کیوں جناب کچھ شعور ہوا۔ یہی ہیں نا غم کی کیفیات! حضرت
دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جس کا کوئی عزیز ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن بیٹا
بیٹی یا کوئی محسن یا دوست مرا نہ ہو یا کوئی مالی نقصان نہ پہنچا ہو۔ یا کسی امید کے پورا
نہ ہونے سے کبھی غم میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ لہذا لازمی ہے کہ غم کے وارد ہونے سے جو
کیفیت پیدا ہوتی ہے اس پر غور کر لینے سے دنیا کا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غم کس کو
کہتے ہیں۔ نفس کے لئے غم بہت تکلیف دہ جذبہ ہے لہذا نفس کی فطرت ہے کہ اس
کو دور کرنا چاہتا ہے اور اس کیفیت میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ اپنی
محبوب چیز کے ضائع ہو جانے پر تھوڑا عرصہ غم کی کیفیت طاری رہتی ہے اور رفتہ رفتہ
وہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو بھول جاتا ہے۔ آپ نے تو آج تک کبھی اس
پہ غور ہی نہ کیا ہو گا کہ غم کے اثر سے نفس انسان پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں ان میں سے
کوئی ایک کیفیت بھی مصائب اہلبیت سننے سے آپ کے نفس پر طاری ہو جاتی ہے یا نہیں
اب میں آپ کو غم کی کیفیات کی تفصیل سناتا ہوں۔ سنیئے!
اگر کسی شخص کا بیٹا بھائی یا کوئی عزیز مر جائے تو خبر سنتے ہی غم کی لہر نفس میں اٹھتی
ہے اور سوائے رونے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اور جب تک وہ لہر ساکن نہیں
ہو جاتی وہ کسی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ پھر وہ غم کی لہریں تھوڑے تھوڑے

وقفے کے بعد اٹھتی اور ساکن ہوتی رہتی ہیں۔ جتنے عرصہ تک لہر غم جوش پر رہتی ہے
نفس کسی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ یہ لہر تھوڑے وقفہ میں ساکن ہو جاتی
ہے۔ اگر نفس کی یہ فطرت نہ ہوتی تو جو شخص ایک مرتبہ غم میں مبتلا ہو جاتا تمام عمر
دنیا کا کوئی کام کرنے کے قابل نہ ہوتا۔ لہٰذا فاطر فطرت نے یہ اصول مقرر کر دیا اور
نفس کی یہ فطرت متعین کر دی کہ ہر جذبہ کی اور خاص کر جذبۂ غم کی پہلی لہر شدید ہوتی
ہے۔ غم کی شدت میں رونے سے اس کو سکون ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ فاطر نے رونے
میں یہ اثر ڈال دیا اور نفس کو یہ سکھلا دیا ہے کہ غم کی لہر کو رو کر ساکن کر دے۔ پس
اگر رویا نہ جائے تو غم کی پہلی لہر بہت دیر میں ساکن ہو گی ـــ کچھ وقفہ کے بعد
پھر غم کی لہر اٹھتی ہے مگر دوسری لہر پہلی کی طرح شدید نہیں ہوتی۔ اسی طرح بتدریج
غم کی لہریں ہلکی ہوتی جاتی ہیں اور لہروں کے درمیان کا سکون کا وقفہ برابر بڑھتا
چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غم بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر پھر کوئی یاد دلانے والی
محرک چیز سامنے آجائے تو پھر غم تازہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کا نوجوان فرزند مر گیا۔
دو مہینے گذر گئے ـــ اب لڑکے کا ماموں، خالہ یا کوئی اور عزیز یا دوست ایسا آگیا جو
پہلے نہ ملا تھا تو غم تازہ ہو جاتا ہے یا مثلاً متوفی فرزند کی وفات سے چھ ماہ بعد یونیورسٹی
سے اس کی کوئی سند آگئی غم پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس شدت کی لہریں کبھی نہ
اٹھیں گی جو پہلی مرتبہ اٹھی تھیں اب رہے سکون کے وقفے تو غم کی لہروں کے درمیان
جو سکون کے وقفے ہوتے ہیں ان میں نفس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دیگر تمام خواہشات
وجذبات میں سکون ہوتا ہے کسی خواہش یا کسی جذبہ کا زور اور شدت باقی نہیں
رہتی۔ جوش اور ولولہ مطلق نہیں ہوتا اور اسی وقت عقل بھی صحیح کام کرتی ہے
یعنی کوئی کام انسان حظ نفس کے لئے نہیں کرتا ایک پسر مردہ کا باپ بھی اس زمانہ
کے دوران میں جس میں وہ غم میں مبتلا رہتا ہے دنیا کے سارے کام انجام دیتا ہے

گر وہ جوش وولولہ اور انہماک جو دوسروں کو ہوتا ہے اس کو نہیں ہوتا بلکہ دنیا کے سارے کام محض ادائے فرض کے واسطے کرتا ہے۔

بغیر مثال کے کوئی چیز سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا اس تمثیل پر غور کیجیے۔ ایک شخص کا جوان بیٹا مر گیا اور مرنے سے چند روز بعد متوفی فرزند کی بیوہ کے بچہ پیدا ہوا۔ یہ غم زدہ باپ فرزند کی نشانی کی پیدائش سے خوش تو ضرور ہوگا مگر غم کے سبب اس پر وہ کیفیت ہرگز نہیں طاری ہو سکتی جو بیٹے کی زندگی میں پوتے کی پیدائش سے ہوتی بچہ کی پیدائش کے متعلق جتنے کام رسوم دنیاوی سے متعلق ہیں، بچہ کا غم زدہ دادا رسم دنیا کے مطابق ادا کرے گا مگر اس کی نفسانی کیفیت کا اندازہ کوئی شخص بغیر غور کیے نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں جوش اور ولولہ مطلق نہ ہوگا۔

میں نے خواہ مخواہ خارجی مثال تلاش کی اور خود آپ کا ذاتی تجربہ آپ کے سامنے پیش نہ کیا آپ خود غور کریں کہ جب آپ کے ملازم محمود خاں کا بیٹا چوری کے معاملہ میں بے قصور ملوث ہو گیا تھا تو آپ کے نفس پر کیا کیفیت طاری تھی۔ جب تک وہ مقدمہ سے بری نہیں ہو گیا۔ آپ سینما بھی نہ جاتے تھے سوائے اس کے کہ جب کبھی دوستوں کا اصرار حد سے زیادہ ہوتا تھا۔ اب آپ غور کریں اور سوچیں کہ اس تمام زمانے میں آپ کے جذبات کے جوش میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور آ گئی تھی یاد ہے نا؟

اب یہ بتلاؤ کہ مدعیان محبت سے یہ نہ کہا جائے کہ اے دعویدار و اہلبیت سے پہلے اتنا تعلق تو پیدا کرو جتنا کہ اپنے خدمتگار کے لڑکے سے ہوتا ہے اس کے بعد ہی دعویٰ محبت کرنا۔ اب میں آپ کو آپ کے غم کا آئینہ بھی دکھاتا ہوں۔

دیکھیے آفتاب کی شعاعیں اگر سیاہ کپڑے میں سے گزر کر جسم تک پہنچتی ہیں تو خفیف اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ سیاہ لباس محرم میں پہنا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ نوے فیصدی مرد و زن چمکدار اور پر تکلف سیاہ کپڑے پہنتے ہیں اور بجائے اس

کے کہ اس سے یہ فائدہ اٹھاتے کہ سرورِ نفس دفع ہو جائے اسی کو سبب زینت بنا کر
باعث حظ نفس بنا لیتے ہیں۔

دیکھو جب مرغوب نفس کوئی شے ضائع ہو جاتی ہے۔ کوئی محبوب مر جاتا ہے تو اس
کی وفات کی خبر سن کر آپ کو کسی ذاکر یا واعظ کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کو رلائے
اب غور تو کیجئے اگر مادر حسین بروز حشر آپ سے دریافت کرے کہ جب دنیا میں کوئی
صدمہ پہنچتا تھا تو تم کتنے واعظ و ذاکر اس پر رلانے کے لئے بلاتے تھے۔ میں نے تو اپنا سارا
گھر تمہارے دلوں کو مغموم و محزون بنانے کے لئے قربان کر دیا تاکہ تمہارے گمراہ کن جذبات
کا جوش اور ولولہ مٹ جائے مگر تم ایسے شقی القلب تھے کہ تمہارے دل میرے سارے
کنبہ کی بربادی پر بھی محزون نہ ہوئے۔ اے بدبختو! میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔
تو بتلایئے کیا آپ یہ جواب دے سکیں گے کہ اے دختر رسول تیرے مظلوم حسین کی قسم
ہم خود تو غم کو جانتے ہی نہ تھے کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ ہم کو تو ہمارے باپ دادا نے سارے
اعزا نے۔ ہمارے تمام واعظین نے یہی بتایا تھا کہ غم اسی کو کہتے ہیں جو محرم میں
ہمیں ہوتا ہے۔ اب خود ہی غور کر لو کہ تمہارا یہ جواب مادر حسین کے لئے قابل قبول ہو سکتا
ہے یا نہیں۔ غور کر لو اور سوچ لو اور مرنے سے پہلے تسلی بخش جواب تلاش کر لو۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے خود میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ بعض اوقات
یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کا جوان فرزند صاحب علم، اخلاق حسنہ سے متصف اور ایک
اچھی سرکاری ملازمت پر مامور انتقال کر گیا۔ سوئم کے جلسہ تعزیت میں چند شعراء ایسی نظمیں
لکھ کر لائے جو بلحاظ شعریت ایسی بلند تھیں کہ اگر وہ مجلس تعزیت نہ ہوتی تو شعر
کی خوبی سے لوگ [illegible] ہو جاتے اور تحسین و آفریں کا شور بلند ہو جاتا۔ واہ واہ
سبحان اللہ کی صدائے بازگشت دور دراز تک گونج اٹھتی مگر اس مجلس تعزیت
میں اہل میت کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی غیر کو بھی نہیں دیکھا کہ کھڑا ہو کر ناچنے لگا ہو

اور واہ واہ سبحان اللہ کی چیخ پکار مچائی ہو اور رائے حضرت آپ ہی کا حصّہ ہے۔ بس حد کر دی اور جھوم جھوم کر سبحان اللہ سبحان اللہ۔ واہ واہ۔ کیا بات کہی ہے واہ واہ۔ اوہو ہو۔ کیا مطلع ہے۔ سبحان اللہ مقطع تو غضب کا لکھا ہے۔ کیا کہنا کیا کہنا —— کہتا رہا ہو۔ اے بے غیرتو بے شرمو اروح سیدہ سے کچھ تو شرم ہونی چاہیے۔ کیا غم کی یہی علامت ہوتی ہے؟

کیوں مہربان، کچھ سمجھے، کچھ شعور ہوا۔ اب بھی وقت ہے اس مہلت کو غنیمت سمجھو۔ روح سیدہ سے شرم کرو۔ سوچو اور غور کرو۔ شعور حاصل کرو تاکہ ذریعہ نجات ہو اور ہلاکت ابدی سے امن مل سکے۔

عزادار۔ بھائی آپ کی باتوں نے تو بہت حیرت میں ڈال دیا۔ میرا تو دل لرزنے لگا۔ ہوش و حواس جاتے رہے مگر جب محبت نہیں تو ہم حسین پر روتے کیوں ہیں یہ رونا ہی ہماری محبت کا ثبوت ہے۔

عارف۔ بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ آپ اپنے دعوی محبت کو سچا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور نتیجہ میں خدا اور رسول اور آل رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بندۂ خدا خدا سے ڈرو اور اپنے کو محب ثابت کرنے کی بجائے اس کی جستجو کرو کہ وہ کون سے حجاب ہیں جو نفس کو گھیرے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے وہ علامات جو خدا اور رسول اور آل رسول نے اپنے محبوں کی تبلائی ہیں آپ کے نفس میں پیدا نہیں ہوئیں تاکہ ان کو سمجھ کر ان کو دور کرنے کی کوشش کر سکو۔ اور دفع کر کے محب اہلبیت بن سکو۔ نفس تو اپنی خباثت کے سبب اس کی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا وہ تو بار بار یہی کہتا ہے کہ خدا جھوٹا۔ رسول جھوٹا۔ آل رسول جھوٹے مگر میں سچا ہوں۔ میں ضرور محب اہلبیت ہوں۔

عزادار۔ العظمۃ للہ۔ بھائی میں اب دعوی محبت نہیں کرتا صرف یہ سمجھنا

چاہتا ہوں کہ جب محبت نہیں تو ہم روتے کیوں ہیں۔

عارف۔ آپ نے چونکہ کبھی اس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی اس وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا دیکھیئے میں سمجھائے دیتا ہوں۔ جب کوئی درد انگیز حسرت خیز قصہ یا افسانہ سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کیا دل پر اثر نہیں ہوتا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری نہیں ہو جاتے۔ دل بھر نہیں آتا۔ تبلایئے کہ آپ کو اس فرضی نام سے محبت ہوتی ہے یا اس کا غم ستاتا ہے۔

جب کسی تھیٹر یا سینما میں کوئی درد انگیز یا حسرت خیز منظر دکھایا جاتا ہے کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں اور اسی تماشے کو بار بار دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے یہ محبت ہے یا غم؟

جب کوئی ایسا افسانہ پڑھتے ہیں یا ڈراما دیکھتے ہیں جس میں کسی کے ایثار کا نمونہ دکھایا گیا ہو کہ ڈراما کا ہیرو تکلیف اور مصیبت اٹھا کر اپنے جذبات کی قربانی دیکر صداقت پر قائم رہا ہو تو قلب متاثر ہو جاتا ہے دل بھر آتا ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ محبت ہوتی ہے یا غم۔

مثنوی زہر عشق سن کر سیکڑوں آدمی دھاڑیں مار کر روتے تھے حالانکہ ان کو یہ بھی علم تھا کہ یہ ایک فرضی داستان ہے اس میں کچھ حقیقت نہیں ہے تو کیا ان فرضی اسماء سے رونے والوں کو محبت تھی یا ان کا غم ان کے دلوں پر چھا جاتا تھا۔ افسوس ہے کہ آپ غور نہیں کرتے کہ اس قسم کا رونا نہ محبت سے تعلق رکھتا ہے نہ غم سے۔

عزادار۔ بھائی اب تو حیرت اور زیادہ بڑھ گئی کہ انسان یا خوشی کے جوش میں رونے لگتا ہے یا غم کے۔ ان کے علاوہ تو اور کوئی جذبہ ایسا ہے ہی نہیں جس سے انسان پر رقت طاری ہو سکے۔

عارف۔ لیجئے اس پر بھی غور کیجئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ نفس

انسان میں ایک جذبہ ہمدردی بھی ہے۔ جب کسی جانور یا آدمی کو تکلیف میں دیکھتا ہے۔ فوراً اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس غریب کی اس وقت کیا حالت ہوگی اور حالت لاشعوری میں بغیر ارادہ کے وہ کیفیت یاد آجاتی ہے جو ان ہی حالات میں مبتلا ہو جانے سے اس کے اپنے نفس پر وارد ہوتی مگر وہ بہت خفیف صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس جذبہ سے ایک قسم کا جوش دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ہلکی سی چبھن محسوس ہوتی ہے جس کو فوراً نفس انسان رو لینے سے دفع کر دیتا ہے۔

جذبہ ہمدردی کا حقیقی مقصد تو یہ تھا کہ انسان دوسرے کو دیکھ کر کوشش کرتا کہ وہی کیفیت جو دوسرے شخص پر طاری ہے اپنے نفس میں پیدا کرلے اگر پوری پوری نہیں تو آدھی۔ تہائی۔ چہارم کچھ حصہ تو طاری کرتا مگر چونکہ کیفیات اذیت وغم نفس کو ناگوار ہیں نہ ان سے بھاگتا ہے لہذا ان کو بالارادہ طاری نہیں کرتا بلکہ حالت لاشعوری اور غیر ارادی طور پر جتنا اثر پڑ جاتا ہے اس کو بھی رو کر دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ جذبہ ہمدردی جو اس امر پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کیفیت کو اپنے اوپر طاری کرلے۔ اس کی تسلی اور تشفی کے لئے رو لیتا ہے جس سے اس کے جذبہ لطیف کی تسلی ہو جاتی ہے اور نفس کو حالت لاشعوری میں بہت حظ و سرور اس سے حاصل ہوتا ہے۔

فطری ہمدردی کی روزمرہ کی مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ اگر ایک شخص جمائی لیتا ہے تو اس کے دیکھنے والے کو بھی جمائی آتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص انگڑائی لیتا ہے تو دیکھنے والے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے یہی قانون فطرت ہے جو اس کا سبب ہوتا ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت وقت ولادت زچہ کے پاس ہوگی تو اس کا نفس بھی فوراً متاثر ہوگا اور اسقاط حمل کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حاملہ عورتوں کو زچہ خانہ میں نہیں جانے دیتے۔

عزادار۔ بھائی یہ تو بڑی حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ آدمی ہمدردی میں روتا کیوں ہے اور نفس نے رونے ہی کو جذبۂ ہمدردی کی تسکین کا سبب کیوں بنا رکھا ہے؟

عارف۔ دیکھو نفس انسان کو تالاب یا جھیل تصور کرو جس میں خواہشات و جذبات کی لہریں اٹھتی اور بیٹھتی رہتی ہیں جو جذبات ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں ان کی لہریں بھی متضاد ہوتی ہیں۔ دو متضاد لہریں ایک دوسرے پر اثر انداز ہو کر کسی جذبہ کے لہر میں بھی جوش نہیں پیدا ہونے دیتیں۔ جس طرح پانی میں پتھر پھینکتے ہیں اور وہ پانی کی سطح پر گرتا ہے تو پہلے پانی دبتا ہے اور پھر اچھلتا ہے اچھل کر پھر گر جاتا ہے۔ اسی طرح نفس انسان میں بھی ردعمل ہوتا رہتا ہے۔ بچہ کو دیکھئے جب کچھ دیر ہنستا ہے تو ماں کہتی ہے اب یہ روئے گا۔ فطرت نفس یہ ہے کہ ہنسنے سے تھوڑی دیر کا سرور اور اس کے بعد اضمحلال اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف رونے سے تھوڑی دیر کا اضمحلال اور اس کے بعد سرور پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مجلس میں آدمی دل کھول کر رو لیتا ہے تو طبیعت کیسی ہلکی ہو جاتی ہے اور کیسا سرور نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بچہ جب گھنٹہ آدھا گھنٹہ ہنستا رہتا ہے تو پھر ایسے کام کرنے لگتا ہے جس سے اس کو منع کیا جائے اور روکا جائے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ رونے کا سبب تلاش کرتا ہے بالآخر رونے لگتا ہے۔ رو لینے سے وہ کدورت جو ہنسنے سے نفس میں پیدا ہوگی ہے دور ہو جاتی ہے اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہی فطرت نفس ہے کہ وہ سارے کام حالت لاشعوری میں کرتا ہے۔ خود انسان کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں اسی سرور کے حاصل کرنے کی خواہش سے لوگوں کے نفوس حالت لاشعوری میں ان کو مجبور کرکے درد انگیز اور حسرت خیز ڈرامے یا تماشے دیکھنے کے لئے کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور یہی حظ حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں

یہی سرور حاصل کرنے کے لئے درد انگیز اور حسرت خیز افسانے خریدنے اور پڑھنے پر نفس انسان اس کو مجبور کرتا ہے اور اسی کے ذیل میں آپ کی نام نہاد مجالس عزا بھی ہیں کہ وہاں سرور حاصل کرنے جاتے ہیں۔ درد و غم لینے نہیں جاتے — اسی خوشی کا اظہار میر وحید صاحب مرحوم نے حالت لاشعوری میں کر دیا ہے چنانچہ اپنے مرثیہ کے جس کا مطلع ہے ؎ کیوں زلزلے میں آج زمین کربلا کی ہے — آخری بندوں میں عشرۂ محرم کو وداع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک بند ملاحظہ ہو ؎

واحسرتا کہ شادی کا ماتم ہوا تمام! آئی خزاں بہار کا موسم ہوا تمام
جس کی خوشی دلوں کو تھی وہ غم ہوا تمام سر پیٹو مومنو کہ محرم ہوا تمام
آئی اگر اجل تو یہ ماتم یہ غم کہاں
یہ مجلسیں تو حشر تلک ہیں پہ ہم کہاں

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت میر انیس مرحوم اعلی اللہ مقامہ بھی حالت لاشعوری میں اسی حظ و سرور کا اظہار فرما گئے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے سینہ کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے بہا کر دریا اشک رونے کا مزہ ماہ محرم میں ہے

اگر غم میں لذت ہوا کرتی تو انسان اپنی اولاد کے مرنے کی دعائیں کیا کرتا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حالت لاشعوری میں حقیقت زبان پر آگئی۔ اس لئے کہ حقیقتاً یہ غم ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ تمام عزاداری باعث حصول حظ نفس اور اندیاد سرور ہی ہے۔ گویا قتل حسین کی عید ہے۔ بید مکے دودھ کی دھاریں خون بن کر میدان کربلا میں رواں ہوں اور آپ حضرات اس سے لطف اٹھائیں۔ خوشیاں منائیں لذت حاصل کریں، بہاروں کا مزہ لوٹیں۔ سینوں کو سرور سے بھریں۔ رونے کے مزے لیں ؎

شوق گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لئے عشرۂ ماہ محرم عید ہے تیرے لئے

عزادار۔ بھائی آپ تو بڑی حیرت انگیز باتیں سناتے ہیں عقل حیران ہوئی جاتی ہے۔
عارف۔ ابھی آپ نے سنا ہی کیا ہے دیکھئے دل کو ٹھیس لگنے اور جسذبۂ
لطیف پیدا کر کے ہمدردی کو جوش میں لانے کے طریقے سنئے۔

اسی دردناک آواز اور دردناک لہجہ جن ذاکرین یا واعظین کی آواز دردناک
ہوتی ہے اور وہ دردناک لہجہ بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں وہی اچھے ذاکر کہلاتے
ہیں۔ آپ نے تو کبھی غور کیا ہی نہ ہوگا کہ فضائل اور واقعات بیان کرنے کا لہجہ اور
ہوتا ہے اور مصائب سے متاثر کرنے کا سُر اور لہجہ اور ہوتا ہے۔ جو شخص اس کو نہیں
جانتا وہ مجلس کو رُلا بھی نہیں سکتا۔ رلانے کے واسطے آواز میں درد پیدا کرنا اور سُر
کچھ تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ پھر مرثیہ پڑھنے والے کے لئے صحت لفظی بھی ضروری ہے تاکہ سامعین
کی توجہ اغلاط کی طرف نہ پھر جائے۔ اب میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک
شخص جو ذاکری کرنا نہیں جانتا اگر مرثیہ پڑھتا ہے تو رقت نہیں ہوتی مگر اسی کا مرثیہ کو
جب ایک اچھا ذاکر پڑھتا ہے تو خوب گریہ ہوتا ہے اور مجلس کامیاب کہلاتی ہے اب
آپ اس پر بھی غور کریں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز مرجاتا ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا
ہوتا ہے۔ تو جذبہ غم کے ہیجان میں لانے کے لئے کسی موثر طریقہ بیان کسی خاص
طرز ادا کے ضرورت نہیں ہوتی بلکہ محض واقف ہو جانا ہی کافی ہوتا۔ ہے خواہ
بیان کرنے والا بچہ ہو یا بوڑھا۔ عالم ہو یا جاہل۔ مرد ہو یا عورت۔ اس کو صحت
لفظی ہو یا نہ ہو وہ بول سکتا ہو یا نہ بول سکتا ہو جیسے گونگا کہ وہ مطلب کا اظہار
اشاروں اور کنایوں ہی سے کر دیتا ہے۔ غرضکہ کچھ بھی ہو مطلب تو یہ ہے کہ نفس
محض واقف ہونے سے متاثر ہو جاتا ہے اور یہی علامت محبت ہے۔ اسی کو غم کہتے
ہیں۔ اب اپنے نفس سے آپ خود ہی محاسبہ کر لیں کہ آپ کا دعویٰ محبت اہلبیت
کہاں تک درست ہے۔ اگر حسین سے محبت ہوتی تو کیا نا ٹویٹ پیٹ کر بائے جاتے

مچانے والے۔ پسونر بسیور کر سنانے والے۔ درد ناک لہجہ بنانے والے ذاکروں ہی کے بیان پر روتے؟ اور سیدھے سادھے لہجہ اور معمولی لفظوں میں واقعات سن کر نہ روتے اور اگر آپ یہ کہیں کہ بجائی جب کسی کا باپ مر گیا ہے تو غم تازہ ہوتا ہے اس لئے آدمی بغیر رلانے والے کے روتا ہے۔ مگر جب مدت گزر جاتی ہے تو اس کو بھول جاتا ہے۔ لہذا بغیر اس کے کہ کوئی پھر اس کو یاد دلائے اور دل کو ٹھیس لگائے وہ شخص نہیں روتا تو جناب عالی! یہ بھی وسوسہ شیطانی ہی ہوگا۔ اس لئے کہ محبت بھی تو باقی نہیں رہتی۔ کوئی شخص اپنے گزرے ہوئے دادوں پر دادوں سے محبت کرنے کا دعویٰ بھی تو نہیں کرتا۔ آپ تو اہلبیت کی محبت کے مدعی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۔ دوسرا طریقہ جذبۂ ہمدردی کی لہر پیدا کرنے کا یہ ہے کہ پہلے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر لیا جائے جو راگ و راگنی۔ تان اور سُر تال اور بم سے پیدا ہوتا ہے شعر میں بھی چونکہ موزونیت اور ترنم ہوتا ہے لہذا اس سے بھی جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھئے بچہ کو چٹکیاں بجا بجا کر شعر سنائیں تو وہ کودنے لگتا ہے اس کے دل میں جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لطائف و ظرائف سننے سے سرور اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مضمون آفرینی اور نکات لطیفہ سے جو جدید ہوں۔ پہلے کبھی نہ سنے ہوں حظ و سرور پیدا ہوتا ہے اور نفس پر کیفیت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ اخلاق عالیہ اور ایثار کا نمونہ دکھانے اور اس کی مرقع کشی کرنے سے بھی یہ حالت طاری ہوتی ہے۔ نفس انسانی ان سے بہت محظوظ ہوتا ہے اور کیف و سرور اور انبساط کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ قلوب انسانی میں جوش، ولولہ اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت ذرا سی ٹھیس لگنے سے جذبہ ہمدردی کی لہر اٹھتی ہے۔ لہذا رقت کا بھی شدت سے ہونا لازمی ہے اس کا کوئی ثبوت دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ امر تو کالشمس فی نصف النہار روشن اور آشکارا ہے

کہ جو شخص علم موسیقی کا ماہر ہوتا ہے وہ جب مرثیہ گاتا ہے تو رقت بہت ہوتی ہے
اور میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ کے مراثی پر جتنا گریہ ہوتا ہے ۔ دوسرے شعرا کے
مرثیوں پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح لطیفہ گو ذاکر بھی رُلانے میں کامیاب رہتا ہے۔ وہ
واعظین جو شیریں بیان ہوں۔ یا باریک اور پُر لطف نکات بیان کریں با فہم طبقہ میں
بہت عزت و شہرت حاصل کر لیتے ہیں اور لوگوں کے دلوں پر بادشاہت کرنے
لگتے ہیں۔ دلوں سے خراج تحسین اور جیبوں سے خراج نقد وصول کرنے میں کامیاب
ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی واعظین کو سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ مجالس پڑھنے کا
دیا جاتا ہے۔ بعض دینے والے تو ایسے ہوتے ہیں جن کے نفوس کو اسبات کا شعور ہوتا
ہے کہ انھوں نے اپنے نام و نمود کے لئے اپنی شہرت بڑھانے کے لئے عوام الناس پر
اپنا اثر ڈالنے کے لئے اور دوسری مجالس سے بازی لے جانے کے لئے ماہر ذاکر یا
واعظ کو بلایا تھا۔ ان کا یہ خرچ کرنا تو ظاہر ہے کہ خسر الدنیا والآخرۃ میں شامل ہے
ذکر تو ان لوگوں کا ہے جن کی نیت بد نہیں ہوتی اور یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہم نذر
حسین خرچ کر رہے ہیں حالانکہ وہ بالکل لاشعوری کی حالت میں ہوتے ہیں۔ مگر
حقیقتہً واعظ کا بلانا حصول حظ نفس کے لئے ہوتا ہے جس کا ان کو شعور نہیں
لہٰذا یہ تمام مصرف بجائے قربۃً الی اللہ قربۃً الی النفس ہی ہوتا ہے۔ اس لئے
کہ مضمون آفرینی۔ نکات لطیفہ اور کثرت بکا حصول حظ نفس کا ذریعہ ہیں۔

(۴) ہجو : جس شخص سے ہمارے نفس کا کوئی تعلق نہ ہو وہ نفس کے "میرے"
میں داخل نہ ہو یعنی میرا دوست۔ میرا عزیز۔ میرا خاندان اور کوئی شخص اس کی ہجو
سنائے تو ہمارا نفس بہت محظوظ ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم کو اس سے کوئی مخالفت یا
رنجش بھی نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی ایسے شخص کی ہجو ہمارے سامنے بیان کی جائے
جس کو ہم اپنا یا اپنے آبا و اجداد کا مخالف سمجھتے ہوں تب تو حظ نفس کی کوئی

حد ہی نہ رہیگی۔ مرزا محمد رفیع سودا کے دیوان میں جتنے قصاید بھی ہجو میں ہیں ان کے سننے سے عجیب کیف و انبساط خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جو ذاکرین اغیار کی ہجو مجالس میں بیان کرتے ہیں بہت مقبول ہوتے ہیں۔ اسی کے ماتحت دوسرے مذاہب کا رد و ابطال بھی ہے جب دوسرے مذہب کا ابطال ثابت کیا جائے تو نفس کو بہت حظ و سرور حاصل ہوتا ہے۔ "میرے مذہب" کی محبت کا جذبہ جوش میں آتا ہے اور نفس پھولتا ہے۔ میرا مذہب اچھا اور دوسرے کا بُرا۔ یہی سبب ہے کہ مناظرہ بیان کرنے والے ذاکر اور واعظ عوام میں بہت پسندیدہ ہوتے ہیں اس لئے کہ نفس کی کیفیت وجد کے دوران میں جذبہ ہمدردی کو ٹھیس لگانے کے لئے ذرا سا اشارہ کافی ہوتا ہے جس سے بہت حظ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اب آپ خود ہی غور فرمالیں کہ یہ غم ہے یا حظ نفس ----؟ اب بھی اصلاح کی فکر فرمائیں متوجہ ہو جائیں تا کہ مادر حسین کو منہ دکھانے کے قابل بن سکو۔

عزادار۔ بھائی جتنا آپ بیان کرتے ہیں۔ اتنی ہی حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ اب تو میری بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم کو محبت نہیں ہے تو ہم مجالس کیوں برپا کرتے ہیں۔ کیوں اس قدر و لولہ انہماک سے عزاداری میں مصروف رہتے ہیں۔ تعزیے پھراتے ہیں۔ زنجیروں سے ماتم کرنے میں اپنے جسم کو لہولہان کر لیتے ہیں۔ خرچ کرنے میں بھی کافی ایثار کرتے ہیں۔ پس اگر محبت نہیں تو یہ سب کچھ کیوں ہے؟

عارف۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ کو محبت ہے تو معاذ اللہ آل رسول غلط گو ہیں اگر وہ سچے تو یقیناً آپ جھوٹے ہیں اور یہ محبت نفس کا ایک دھوکہ ہے جو گہرا غوطہ لگانے ہی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیجئے اب اس کی علت غائی بھی واضح کئے دیتا ہوں۔ دیکھیے اس وقت تمام دنیا لفظ محبت کا مفہوم سمجھنے میں بہت دھوکہ میں پڑی ہوئی ہے۔ محبت کی تعریف اور تفصیل تو میں بعد میں بیان

کرونگا۔ اس وقت تو میں بھی لفظ محبت کو آپ ہی کے مفہوم میں استعمال کرنے پر مجبور ہوں
اب سنئیے! نفس انسانی کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی بقا چاہتا ہے۔ جس کا ذریعہ وہ
اپنی خواہشات و جذبات کی تسلی و تشفی کو سمجھتا ہے۔ لہٰذا نفس انسان کو ہر وہ
محبوب ہوتی ہے جس کو وہ کیفیت شعوری یا لاشعوری میں اپنی خواہشات و جذبات
کی تسکین کا سبب سمجھتا ہو۔ جتنی کیفیات نفس کے لئے ناگوار ہیں وہ سب وہی ہیں
جو ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہیں۔۔ اور جن سے سرور پیدا ہوتا ہے سبب بقا ہیں۔
چونکہ نفس کو تسکین جذبات سے سرور حاصل ہوتا ہے لہٰذا ہر وہ چیز بھی محبوب
ہوتی ہے جس کو وہ سبب تسکین جذبہ سمجھتا ہے۔ اور چونکہ آرام و آسائش کو اپنی
بقائے طویل کا باعث سمجھے ہوئے ہے اس لئے اسباب آرام و آسائش اس کو بہت
محبوب ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مال و دولت۔ جاگیر و جائداد۔ باغات و محلات
رہائشی مکانات سے نفس کو بہت محبت ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے ضائع ہونے
پر کیفیت غم و الم اس پر طاری ہو جاتی ہے' اور چونکہ نفس کو اس کا شعور ہے کہ
مال قبضہ میں ہونے سے اپنے ہر جذبہ کو تسکین دے سکونگا۔ لہٰذا مال و دولت کا
دلدادہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن سے بقائے نسل کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق
ہے۔ چونکہ نفس انسان کو حالت لاشعوری میں بھی اس کا شعور ہے کہ میں دنیا میں ہمیشہ
نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اپنے بعد اپنی نشانیوں کی بقا کا متمنی رہتا ہے جو اولاد ہی کے
ذریعہ سے پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اولاد نفس کو بہت پیاری ہوتی ہے۔ اسی طرح مردوں
کے لئے عورتیں اور عورتوں کے لئے مرد چونکہ جذبۂ جنسی اور جذبۂ بقائے نسل ہر دو
جذبات کی تسکین کا سبب ہوتے ہیں لہٰذا نفس کو بہت محبوب ہیں۔ اسی طرح سے
اگر کوئی شخص کوئی یادگار عمارت بنائے یا کوئی کتاب تصنیف کرے وہ بھی اس کو

بحد عزیز ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں میں سے کسی چیز کا فقدان ضائع ہو جانا یا ان
نقصان پہنچنا نفس پر کیفیت غم طاری کر دیتا ہے۔
تیسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جو جذبۂ شوق کی تشفی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً
کسی شخص کو کتب بینی سے شوق ہے اس کو اپنی کتابیں اور اس کے متعلقات محبوب ہونگے
جس کو کسی خاص کھیل کا شوق ہے اس کو کھیل کے متعلقات پیارے ہونگے۔
چوتھی قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق عادت نفس سے ہے۔ نفس کو جس کام،
محنت، نشہ یا ورزش کی عادت ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا اس کو محبوب ہوتا ہے عادت
کے پورا کرنے سے سرور اور نہ کرنے سے ناگواری نفس میں پیدا ہوتی ہے۔
اتنا تو وقت نہیں کہ تفصیلاً بیان کر سکوں اس لئے کہ نفس انسان تو کتاب اتم
ہے جس کی تفسیر ہزاروں برس بیان کرنے سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی کو تو جناب
امیر المومنین سید العارفین نے فرمایا ہے اَتَحْسَبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ وَ فِیْکَ انْطَوٰی
الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ (کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جرم ہے۔ حالانکہ تجھ میں تمام
کائنات (سب سے بڑا عالم یا جہان) لپٹا ہوا ہے)
اب آپ اس پر غور فرمائیں کہ تمام دنیا میں کوئی شخص خواہ کسی حیثیت کا بھی ہو
بادشاہ سے لیکر فقیر تک۔ عالم سے لیکر جاہل تک ایسا نہیں جس کو دنیا میں تکالیف و
مصائب پیش نہ آئیں۔ تمام عالم میں ایک فرد بھی جادۂ مصیبت رنج و الم سے بچ نہیں سکتا
اور یہ تمام کیفیات نفس کے لئے ناگوار ہیں جو اس میں کیفیت اضطراری پیدا کر دیتی
ہیں اور جب نفس کو اضطرار لاحق ہوتا ہے تو تمام اسباب تسکین جذبات میں سے جو میں
پہلے بیان کر چکا ہوں ایک چیز بھی باعث تسکین نہیں ہوتی۔ تمام اسباب مادی تسلی دینے
سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اس وقت جو چیز باعث تسکین ہوتی ہے۔ اس کی میں دو
مثالیں سنا کر آپ کو واضح کر دونگا۔

۱۔ بیماری میں جب تکلیف ہوتی ہے تو کوئی چیز تسکین نہیں دے سکتی۔ سوائے اس کے کہ مریض کی توجہ اس کے جسم کی طرف سے ہٹا کر کسی اور طرف پھیر دی جائے۔ اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جسم کی طرف پوری توجہ نہ رہنے سے احساس تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے اور اگر کامل طور پر توجہ کو جذب کیا جا سکے اتنا کہ محویت تامہ طاری ہو جائے اور جسم کی طرف نفس کی توجہ مطلق باقی نہ رہے تو کسی عضو کو کاٹنے سے بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ مریض کو یقین دلایا جائے کہ تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے اس سے امید فلاح پیدا ہوگی جو جسم کی قوت برداشت اور قوت دافعہ کو بڑھا دیگی اور تکلیف کا احساس کم ہو جائیگا۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اگر کوئی شخص دس بارہ سال کی محنت سے کچھ سرمایہ جمع کرے جس کا مقصد ایک رہائشی مکان اپنے لئے خریدنا ہو جس وقت معاملہ مکان کا طے ہو جائے اور صرف قیمت دینا اور قبضہ لینا باقی ہو سرمایہ چوری چلا جائے تو اس شخص کے اضطرار کی کیا حالت ہوگی۔ اب غور فرمایئے کہ اس کو حالت اضطرار میں کیا چیز تسکین دے سکتی ہے سوائے اس کے کہ نفس کو کسی اور طرف توجہ دلائی جائے جس سے استغراق کی حالت طاری ہو جائے۔ اکثر لوگ غم غلط کرنے کو نشہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ تماشہ دیکھنے لگتے ہیں۔ دوسرا سبب تسکین یہ ہو سکتا ہے کہ پولیس یہ کہے کہ ہم چوری کا پتہ لگا لینگے اور مال تمہارا مل جائے گا یا کوئی پیر، فقیر یا ولی اس سے کہدے کہ میں تم کو سونا بنا نا بتادونگا جس سے آئندہ کی امید فلاح پیدا ہوگی۔ اور اضطرار میں کمی واقع ہو جائیگی۔

ان ہر دو تمثیلات سے بالکل واضح ہو گیا کہ حالت اضطرار میں جب تمام دیگر اسباب تسکین جذبات منقطع ہو جاتے ہیں اور اضطرار میں سکون پہنچانے یا اس کو کم کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو جو چیزیں اس وقت باعث سکون ہوتی ہیں ان کا

انحصار ان ہی دو چیزوں (۱) جذب توجہ (۲) امید فلاح پر ہے۔ ان دو چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے نفس کا حد درجہ خواہشمند ہونا لازمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی چیز اس کے ہاتھ آجائے جو بغیر اعانت شخص دیگر یہ دونوں چیزیں مہیا کردے تبلائیے کہ نفس انسان کو وہ کس قدر محبوب ہوگی اور پھر اس پر بھی غور کریں کہ اگر کوئی ایسی چیز نفس کو مل جائے کہ جو ہر دم و ہر لحظہ اس کے پاس رہے تاکہ جب بھی اس کو اضطرار لاحق ہو۔ وہ شے ہر دو سبب تسکین یعنی (۱) جذبہ توجہ (۲) امید فلاح پیش کردے تو تبلائیے کہ نفس انسان کو وہ دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوگی یا نہیں؟ یہ تو فطری امر ہے کہ ایسی شے اس کو مال و اولاد، عزت و آبرو سب سے زیادہ محبوب ہونی چاہیے۔

پس یہی دونوں چیزیں ہر مذہب پیش کرتا ہے۔ یعنی جب کوئی شخص کسی غیر مرئی مافوق الفطرت طاقت کو اپنا معبود مانتا ہو یا معبود تک پہنچنے کا واسطہ جانتا ہو تو حالت اضطرار میں جب تمام دیگر اسباب تسکین جذبات منقطع ہو جاتے ہیں نفس کی توجہ اس غیر مرئی طاقت کے نام کی طرف کھنچ جاتی ہے اور توجہ کا مرکز بن جاتا ہے لہذا یہ مرکز توجہ خواہ وہ دیوی ہو یا دیوتا۔ شجر ہو یا حجر، دریا ہو یا پہاڑ، سورج ہو یا چاند، سیارہ ہو یا ستارہ، خدا ہو یا رسول، پیر ہو یا فقیر، خلفا ہوں یا اہلبیت غرضکہ کوئی بھی مرکز توجہ ہو نفس انسان کو بیحد محبوب ہوتا ہے اور اسی مرکز توجہ سے حیات دنیا اور حیات بعد الموت میں امید فلاح وابستہ ہوتی ہے۔ یہ دوسرا سبب تسکین اضطرار ہے۔ یہی سبب ہے کہ اپنا مذہب ہر شخص کو بہت عزیز ہوتا ہے۔

ایک اور سبب مذہب کی محبت کا یہ ہے کہ بچہ جس فضا میں تربیت پاتا ہے اس کو اس فضا کے رسم و رواج بیحد محبوب ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف رسم و رواج سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ پھر مذہب کے متعلق جو رسم ہیں وہ تو اس کو بہت ہی پیارے ہونے چاہیئیں

اس لئے کہ ان رسم ورواج کی ادائیگی میں تو "میرے مذہب" کے جذبہ کی تسکین ہوتی ہے اور نفس انسانی کا یہ خاصہ ہے کہ جب ایک جذبہ کی شدت ہوتی ہے تو دوسرا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا۔ "میرے مذہب" کی محبت کا جذبہ خوب جوش میں ہوتا ہے تو ہر قسم کی تکلیف، ہر قسم کا ایثار انسان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

تیسرا سبب رواسم مذہبی کے محبوب ہونے کا عادت نفس ہے۔ ایک شخص جو چار میل روزانہ ٹہلنے کا عادی ہو گیا ہے۔ اس کے نفس کو وہ تکلیف جو چار میل چلنے میں ہوتی ہے راحت ہو گئی اور اس کا برداشت کرنا ہی مرغوب ہو گیا اب اس کو چار میل چلنے کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے بجائے احساس تکلیف حظ حاصل ہونے لگا اگر کسی روز چار میل چلنے کی تکلیف نہ پہنچی تو نفس کو بے چینی رہتی ہے۔ گویا کہ یہ تکلیف ہی نفس کی غذا بن جاتی ہے۔ وہ وقت پر اس کو طلب کرتا ہے اسی طرح سے رواسم دنیا بھی خواہ کتنی ہی تکلیف ان میں ہوتی ہو باعث حصول سرور ہوتی ہیں۔ رسم ورواج دنیا وی ہی جب اس قدر محبوب ہوتے ہیں تو پھر رواسم مذہب کے محبوب ہونے کی تو کوئی انتہا ہی نہیں رہتی۔ یہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ عقل و شعور بیچارے ہیں ہی کس شمار میں جذبات تک مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی بھی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) عرب میں دختر کشی کا رواج تھا۔ اور یہ ان کی قومی رسم تھی۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی غیر موجودگی میں اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ ماں نے شوہر سے چھپا کر اسے پرورش کر لیا جب شوہر سفر سے واپس آیا کہدیا کہ مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ آٹھ نو سال بعد باپ کو علم ہو گیا تو اسے گھر رکھنے کی اجازت دیدی۔ پہلے تو اسے اظہار محبت کر کے مانوس کر لیا جس سے لڑکی کی ماں بھی مطمئن ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز جنگل میں گیا۔ ایک

گھر آ کر گڑھا کھود کر تیار کر آیا اور وقت کا منتظر رہا۔ ایک روز موقع مل گیا کہ اس کی ماں موجود نہ تھی۔ بیٹی کو ہمراہ لے گیا اور اس گڑھے میں دھکیل کر مٹی ڈالنی شروع کر دی لڑکی فریاد کرتی جاتی تھی۔ میرے پیارے بابا کیا تم مجھے اس جنگل میں اکیلا چھوڑ جاؤ گے اور وہ شقی القلب مٹی ڈالتا جاتا تھا اور اس بیگناہ بچی کے پیار اور محبت کے لہجہ میں فریاد و استغاثہ کرنے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس کو دبا کر چلا آیا۔

(۲) ہندوستان میں ستی کی رسم جاری تھی جو ہندو مذہب کا جزو تھا۔ جب بھی سات آٹھ سال کی بچی بیوہ ہوتی تو اس کی ماں بنا سنوار کر دلہن بنائی اور چتا پر جلنے کے لئے بھیج دیتی۔ ذرا یہ منظر ملاحظہ ہو کہ سات آٹھ سال کی بیگناہ بچی باپ یا بھائی کی گود میں دلہن بنی ہوئی جا رہی ہے۔ باپ اور بھائی کھیل کھلونوں کا لالچ دلاتے۔ پیار اور محبت کی باتیں سناتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ بچی کہتی جاتی ہے بابا تماشہ ہوگا۔ مجھے کھیل دکھاؤ گے۔ باپ کہتا ہے ہاں بیٹی تجھے بڑا اچھا کھیل دکھائیں گے۔ اور بالآخر باپ اور بھائی اس پیاری پیاری باتیں کرنے والی، خلوص و محبت سے بھری ہوئی موہنی صورت کو اپنے ہاتھوں سے آگ کے شعلوں کی نذر کر دیتے ہیں

اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا؟ جس کو دنیا محبت سمجھ رہی ہے یہ حقیقتہً محبت غیر نہیں بلکہ یہ تو نفس کی خواہش بقا اور خود اپنی محبت ہے۔ اب تو واضح ہوگیا کہ جس کو آپ محبت اہلبیت سمجھ رہے ہیں یہ محض نفس کی خواہش بقا ہے اور اضطرار میں تسکین دینے والے مرکز توجہ کی محبت ہے۔ آپ نے دیکھا جس چیز کو ساری دنیا مذہب سمجھ رہی ہے۔ جو خدا پرستی اور معبود پرستی سمجھی جاتی ہے وہ خود پرستی اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ میں تو آپ کو یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ آپ خود جس کو محبت کہتے ہیں اس کی علامتوں میں سے بھی محبت اہلبیت کے ثبوت کے لئے کوئی علامت آپ کے نفس میں موجود نہیں۔

جب تک کہ مذہب محض نفس پرستی اور تسکین جذبات کا ذریعہ ہے اس وقت تک تو یہود و نصاریٰ۔ بت پرست و ستارہ پرست۔ سنی اور شیعہ سب برابر ہیں۔ اسی لئے تو قرآن کہتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (اور جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی ایمان لے آئے اللہ اور یوم آخر پر اور عمل نیک بجالائے پس ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے ان پر کوئی خوف اور حزن غالب نہیں ہوتا۔)

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے مومنیت کے دعویداروں۔ یہودی۔ نصرانی، اور ستارہ پرست سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ بلکہ یہ کہا کہ ان میں سے جو بھی ایمان لے آئے یعنی لاشعوری سے نکل کر شعور حاصل کر لے وہ ہی فلاح حاصل کریگا۔ گویا قرآن کے نزدیک ظاہر ایمان لانے سے کوئی شخص سوائے اس کے کہ اس پر اسلام کے احکام جاری ہو جاتے ہیں غیر مسلمین سے ممتاز و ممیز نہیں ہوتا۔

شعور پیدا کرنے کا راستہ غور و خوض تدبر فی القرآن اور تفکر فی الخلق ہے یہی شعور بڑھانے کے ذریعے ہیں۔ اسی کے لئے قرآن جابجا کہتا ہے افلا یعقلون۔ افلا تعقلون افلا یشعرون۔ افلا تشعرون۔ افلا یتدبرون۔ افلا ینظرون۔ اور ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ کیا تم سمجھتے نہیں ؟ کیا تم شعور نہیں رکھتے ؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ؟ اسی کو حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ تفکر ساعتہ افضل من عبادۃ سنتہ ایک گھنٹہ کا غور و فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ کہیں فرمایا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔ کبھی فرمایا تفکر وا فی خلق اللہ (اللہ کے پیدا کرنے میں غور کرو)

یعنی اس بات پر غور کرو اور سوچو کہ اللہ نے کس طرح پیدا کیا۔ وہ کون سے قوانین ہیں جو اس نے تمام مخلوق کی پیدائش کے لئے مقرر کئے ہیں۔ سبحان اللہ و اللہ اکبر کیا جلیل القدر ہستی ہے جس کے صرف اسی ایک قول پر عملی ایمان لانے سے یورپ اور امریکہ ساری دنیا سے مادیت میں بازی لے گئے۔

یاد کریں میں کہہ چکا ہوں کہ اضطرار شدید لاحق ہونے کے وقت صرف جذبۂ توجہ اور امید فلاح باعث تسکین ہوتے ہیں۔ نفس کو ایسے مرکز توجہ کی جستجو ہوتی ہے جو یہ دونوں چیزیں یکجائی پیش کر سکے۔ اور ہر وقت اس کی دسترس کے اندر بھی رہے ایسا مرکز توجہ ہر مذہب پیش کرتا ہے۔ جو ہر اہل مذہب کو بیحد محبوب ہوتا ہے اور وہ اپنا سب کچھ اس کے لئے قربان کرنے کو تیار رہتا ہے۔ مگر حقیقتہً یہ محبت غیر نہیں بلکہ ہمارے نفس کی خواہش بقا اور خود اپنی محبت ہے۔ لہذا نفس پرستی اور شرک باطنی ہے۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کسی دیوی یا دیوتا کو ماننے یا خدا اور رسول کو ماننے یا اہلبیت و آل رسول کو ماننے یا خلفاء و اصحاب رسول کو ماننے میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ اس امر کا بین ثبوت کہ خدا و رسول اور آل رسول ہمارے لئے اضطرار میں محض مرکز توجہ ہیں یہ ہے کہ ہماری توجہ ان کی طرف صرف اسی وقت ہوتی ہے۔ جب ہم کو اضطرار لاحق ہوتا ہے۔ ہمارے نفس نے ان "اسماء" کو مرکز توجہ بنانے کے لئے یاد کر رکھا ہے۔

غور کیجئے اگر ایک بستی میں بچے ایسی فضا میں تربیت پائیں جہاں ان کو یہ بتلایا جائے کہ بجر بٹو جی اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں جو آسمان پر بیٹھے ہیں۔ وہی ہمارے لئے غلہ پیدا کرتے ہیں۔ آسمان سے پانی برساتے ہیں وہی ہماری امیدیں پوری کرتے ہیں اور ٹھکر شاہ ان کے اوتار تھے جن کے بیٹے جھنجھو جی اور کھمباٹو جی نے ہمارے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ ہماری بستی کو ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے جان قربان کر دی۔ ان کے لئے رونا بڑا ثواب ہے۔ وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں

رونے والوں کی سفارش بجز بٹو جی سے کرتے ہیں۔ اب یہ بتلائیے کہ جب بچے اس فضا میں جوان ہونگے تو ان کو ان اسمائے مفروضہ جھنجھاڑو جی اور بھمباڑو جی سے کیسی محبت ہوگی؟ کیا وہ ان کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کو تیار نہ ہونگے؟ کیا وہ ان کے حالات و مصائب سن کر نہ روئیں گے؟ پھر آپ یہ بتلائیں کہ ان لوگوں کے جھنجھاڑو اور بھمباڑو کے ماننے اور آپ کے علیؑ اور حسینؑ کے ماننے میں مابہ الامتیاز کیا ہے ---؟

اگر رسول و آل رسول ہم سے سوال کریں کہ اسمائے مفروضہ کے ماننے والوں میں اور تم لوگوں میں کیا فرق تھا؟ دنیا میں تم نے یہ ثابت کیا یا نہیں کہ ہمارے پیشوایان مذہب نور حقیقی ہیں۔ اگر تم دنیا کو یہ نہ دکھلا سکے تو بت پرستوں میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے۔ وہ بھی اپنے باپ دادا سے سنے سنائے مفروضہ اسماء سے محبت رکھتے تھے اور تم بھی باپ دادا سے سنے سنائے ناموں سے محبت کرتے رہے اور "اِنْ ھِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ" (بلکہ یہ تو فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں) کے پوجنے والوں کی طرح تم نے بھی اپنا مذہب بنائے رکھا تو بتلائیے کہ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

اسی بات کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ کیا مومن اور فاسق یکساں ہوسکتے ہیں؟ کیا مومن اور غیر مومن کی زندگانی دنیا ایک جیسی ہوسکتی ہے؟ کہیں فرمایا ہے هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ کیا اندھا اور سوجھا کا برابر ہوسکتا ہے۔ کہیں کہا ہے أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ کیا مومن اور فاسق ایک جیسے ہوسکتے ہیں؟ نہیں برابر نہیں ہوسکتے --- اب قرآن کے ان سوالات کا جواب دیجئے اور خدا کے سامنے محبت اہلبیت کا ثبوت پیش کیجئے۔

پیارے بھائی! اب غور کرو کہ یہ میرے مذہب کا جذبہ کیا کچھ نہیں کراتا؟

ہر شخص کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ "میرے مذہب" کی اشاعت ہو، میرا مذہب اچھا سمجھا جائے
میرے مذہب میں لوگ داخل ہوں۔ اور اسی جذبہ کی تسکین کیلئے لوگ تحصیل علم کی مشقتیں
اٹھاتے ہیں، تصنیف و تالیف کی محنتیں برداشت کرتے ہیں، دن اور رات تصنیف و تالیف
میں مصروف رہتے ہیں۔ عورتیں اپنے عزیز ترین زیورات اور اولاد تک ضرورت کے وقت
قربانی کیلئے پیش کر دیتی ہیں، اور چونکہ علمائے مذہب ہی "میرے مذہب" کی بقاء و حفاظت کا
ذریعہ ہوتے ہیں لہذا بہت محبوب سمجھتے ہیں بالخصوص وہ عالم جو دوسرے مذاہب کے
مقابلہ میں "میرے مذہب" کی حقانیت اور دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی برائیاں ثابت کرتا ہو
بہت جلد لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتا ہے اور روحانی بادشاہ کی طرح عوام کے قلوب پر حکومت
کرتا ہے۔ ایک اور بات پر غور کیجئے کہ مذہبی قربانیوں میں وہی طبقے پیش پیش رہتے ہیں جن کے
جذبات شدید ہوں۔ مثلاً عورتیں۔ نوجوان اور طبقہ جہلا +

اب بھی آپ سمجھے کہ یہ تمام نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، مجالسِ ماتم، مرثیہ، عزاداری، تصنیف و
تالیف، مناظرے، مجاہدے، جبکہ "میرے مذہب" کی محبت کے جذبہ کی تسکین کیلئے ہو رہے ہیں
شرک باطنی ہیں جن سے صرف اتنا ہی فائدہ ہے کہ شاید کسی وقت خلوص پیدا ہو جائے جو ایمان کا
راستہ دکھا دے ورنہ سب کے سب بیکار، اسیطرح سے اپنے پیشوایانِ دین یعنی مراکزِ توجہ[1] فی الاصطلاح
کے فضائل و محامد اور اپنے مذہبی عقاید کی حقانیت کا ثبوت سنکر نفس پر کیفیت سرور طاری ہو جاتی
ہے، واہ ہو میرا مذہب ایسا، میرا مذہبی پیشوا ایسا! اور حضرت نفس صاحب سر سے گدھے کیطرح پھول
کر کُپا ہو جاتے ہیں اور اس کو باعثِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ حظِ نفس نجاستِ باطنی کو
بڑھانے والا ہے۔ لہذا یہ کام بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ فضائل سننے کا
مقصد کیا ہے، انکو نجاستِ باطنی دور کرنے کیلئے کسطرح سننا چاہئے آگے بیان کرونگا پہلے آپ
کو محبت کی تعریف بتا دوں +

---

[1] بے چینی اور بیقراری پیدا ہونیکے وقت جس نام کیطرف خیال دوڑایا جاسکے یعنی جسکے ذریعہ نفس کی تسکین ہو

سنئے محبت اس کشش کو کہتے ہیں جو ایک ناقص نفس کو نفسِ کامل کیطرف بغرض حصولِ کمال
پیدا ہو جیسے کہ بچہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے ابتداءً تو محبت خالص ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ
جب وہ اپنی خواہشات کی تسکین کا آلہ بھی انکو سمجھ لیتا ہے تو اس محبت میں ذلیل اغراض
شامل ہو جاتے ہیں یہ محبت میں بھی کمی ہو جاتی ہے اور جب ماں باپ کے تمام افعالِ ظاہری
کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا بولنا اور تمام وہ کام جو دنیا میں بقائے نفس کیلئے ضروری
ہیں سیکھ لیتا ہے یا اس کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ میں مستغنی ہو گیا تو محبت بھی رخصت
ہو جاتی ہے۔ اب محض تسکین جذبات اور نفس کی خواہشِ بقا کا تعلق ماں باپ کیساتھ رہ جاتا
ہے جس کو دنیا کے عرفِ عام میں محبت کہتے ہیں۔ مگر چونکہ ماں باپ کے نفوس اپنی بقائے
دائمی کا سبب محض اولاد کو سمجھتے ہیں اسلئے ان کی محبت عرفی میں جو حقیقتاً خود ان ہی کے
نفس کی خواہشِ بقا ہے کبھی کمی نہیں ہوتی +

رسول اور آلِ رسول سے محبت ہونیکے معنی تو یہ ہیں۔ کہ ہمارے نفسوں میں
انکی طرف کشش پیدا ہو جائے جس کا مقصد اُن کے کمالاتِ عالیہ کا اپنے نفسوں میں پیدا
کرنا ہو جو ان میں موجود ہیں۔ جس کا طریقہ بچہ کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچہ
اپنے ماں باپ کے کمالات ان کی حرکات و سکنات رفتار و گفتار اور کام کرنیکے طریقیں
پر محض غور و فکر کرکے نقل کرنے کی کوشش سے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ قوتِ نقالی
فطرتِ انسانی میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ پس اگر ہمکو بھی رسول اور آلِ رسول سے
محبت پیدا ہو جائے تو ممکن نہیں کہ ہمارے نفسوں میں ان کے کمالات کے حصول کی
تڑپ پیدا نہ ہو۔ اور ہم انکی نقل کرنے کی کوشش نہ کرنے لگیں جب کوشش کرینگے
تو نقل بھی کرنے لگیں گے اور جب ایسا ہوگا۔ تو ان کے کمالات کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ہمارے
نفسوں میں پیدا ہونے لگے گا۔ اور یہی ان کے فضائل و مصائب سننے کا مقصد ہے
قرآن مجید بھی محبت یہی بتاتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ

رہو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم سے محبت کرنے لگیگا۔ پیروی کے معنی صرف نیک کاموں کی نقل کرنا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہیکہ جب آپ امام حسین علیہ السلام کی زیارت وارثہ پڑھتے ہیں تو خدا و انبیاء و ملائکہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ میرا ہر کام تمہارے کاموں کی نقل ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ نماز عید کی دعائے قنوت میں کہتے ہیں۔ کہ خدایا ہمکو بھی ان تمام خوبیوں میں داخل کر دے جنمیں محمد و آل محمد کو داخل کیا اور ان تمام برائیوں سے نکال دے جنمیں سے محمد و آل محمد کو نکالا۔ دیکھئے قرآن نے بھی نقل کرنیکو ہی علامت محبت بتایا۔ اور کہہ دیا کہ اگر محبت ہے تو نقل کرو۔ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ محبوب کے اعمال و افعال کی نقل کرنا ہی محبت حقیقی کی علامت ہے۔ ورنہ صرف رسول و آل رسول کے فضائل سنکر خاموش ہو جانا گمراہی کی زیادتی کا سبب ہوگا ؎

غور کریں اور سوچیں کہ اگر کسی شہر میں ایک طبیب حاذق ہو جو تپدق کے علاج میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور تمام اہل شہر اس کی حذاقت و قابلیت کے قائل ہوں۔ پس جو لوگ تپدق میں مبتلا ہوں ان کو چاہیئے کہ اُس طبیب سے علاج رجوع کریں۔ اور جو دوا وہ تجویز کرے اسکو استعمال کریں۔ تاکہ مرض مہلک سے نجات حاصل ہو۔ اور اگر وہ تمام مریض دوا تو استعمال نہ کریں لیکن دنیا بھر میں یہ کہتے پھریں کہ ہم اُس طبیب کو مانتے ہیں۔ وہ بڑا حاذق ہے۔ اُس کے پاس تپدق کی اکسیر ہے ؎

ہمکو اُس سے بڑی محبت ہے اُس پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی طرح اُس کی تعریف و توصیف میں اُسکے کمالات کے اظہار میں اور اس کی فوقیت کے ثبوت میں اُس کے تبحر علمی کے ظاہر کرنے میں اُسکے متعلق بال الطبائع کی تفتیش میں علوم کے دریا بہا دیں۔ تصانیف کے انبار لگا دیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر دیں۔ شب و روز ان مشاغل میں مصروف رہیں اُسکا کمال ثابت کرنے کیلئے ساری دنیا سے مشغول تو تو میں میں مناظرے مباحثے مجادلے اور مقاتلے کرتے پھریں۔ حتیٰ کہ اپنی عزیز سے عزیز چیزوں مال و املاک اور اولاد کی قربانی بھی دیدیں

اور اسمیں انکو بتیس برس گذر جائیں۔ تو کیا کبھی بھی تپدق سے نجات پا سکیں گے۔ اور واللہ کبھی نہیں، بلکہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طبیب کو مانتے ہوئے حاذق بجانتے ہوئے اس کی اکسیر بیان پر یقین رکھتے ہوئے اسکی تعریف و توصیف کرتے ہوئے تپدق میں ہی ہلاک ہو جائینگے فرمایئے یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اب دیکھا آپ نے اپنی اثر خفیت کا پول۔

عزادار بھائی ایک اور بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہلال محرم دیکھتے ہی رونا شروع کر دیتے ہیں۔ سارا عشرہ محرم میں بغیر اسکے کہ کوئی رلانے والا انکو رلائے۔ اوقات فرصت میں بیٹھے بیٹھے خود بخود رونے لگتے ہیں اور انکا زیادہ وقت فرصت اسی طرح گزرتا ہے۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

عارف بھائی صاحب! میں مفتی تو ہوں نہیں۔ جو مجھ سے آپ حکم پوچھتے ہیں میں کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ ہر شخص میں ہر جذبہ یکساں نہیں ہوتا۔ کسی کا غصہ شدید ہوتا ہے تو کسی کا حلم۔ کسی کی محبت شدید تو کسی کی نفرت اسی طرح بعض لوگوں پر میرے مذہب کا جذبہ بھی شدید ہوتا ہے انہیں میں ایسے لوگوں کا شمار ہوگا۔ اور ایسے اشخاص جیسا آپ نے ذکر کیا شیعوں میں کم ملینگے۔ اور غیر اقوام کے عزادار وں میں نسبتاً زیادہ مگر میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ایسی کیفیت جن لوگوں پر طاری ہو جائے ان کے نفوس میں جذب محبت پیدا ہو جانا اغلب ہے۔ جو انکو تزکیہ نفس یا دو منزل ایمان تک پہنچا دیگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عزادار بھائی صاحب! مجھ کو تو آپ نے بحر حیرت میں غرق کر دیا میری سمجھ میں اب بھی نہیں آیا کہ اس رونے رلانے ماتم مرثیہ اور عزاداری سے فائدہ کیا ہے؟

عارف سنو اور غور سے سُنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ پہلے تو آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام کا مقصد کیا ہے اس کے بعد آپ یہ سمجھنے کے قابل ہونگے کہ رونا رلانا مجلس و ماتم کیا ہے اور حسین پر رونے سے جنت کیسے واجب ہو جاتی ہے۔

سو اسلام دنیا میں اسلئے آیا ہے کہ مخلوق کو صفاتِ الٰہیہ حاصل کرنے اور واصل باللہ
فانی اللہ، باقی باللہ ہونیکے طریقے سکھلائے جیسا کہ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا ہے تخلقوا
باخلاق اللہ تم اپنے میں صفاتِ الٰہیہ پیدا کر دو یا جیسا کہ حدیث قدسی میں خود جناب رب
العزت فرماتا ہے عَبْدِی اَطِعْنِی اَجْعَلْکَ مِثْلِی۔ اَنَا حَیٌّ لَا اَمُوْتُ اَجْعَلُکَ حَیًّا لَا تَمُوْتُ
اَنَا غَنِیٌّ لَا اَفْتَقِرُ اَجْعَلُکَ غَنِیًّا لَا تَفْتَقِرُ اَنَا مَهْمَا اَشَاءُ یَکُوْنُ اَجْعَلُکَ مَهْمَا تَشَاءُ یَکُوْنُ (مجالس
المتقین از شیخ ابن علیہ الرحمۃ) ترجمہ - میرے بندے میری اطاعت کر میں تجھ کو اپنی مثل بنا لونگا
میں ایسا زندہ ہوں کہ کبھی نہیں مرونگا۔ تجھ کو بھی ایسا بنا دونگا کہ تو کبھی نہ مریگا۔ میں ایسا بے نیاز
ہوں کہ مجھے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوتی۔ تجھ کو بھی ایسا ہی بے نیاز بنا دونگا۔ کہ تجھ کو کسی چیز کی
احتیاج نہ ہوگی۔ میں جو ارادہ کرتا ہوں یا چاہتا ہوں ہو جاتا ہے۔ تجھ کو بھی ایسا ہی بنا دونگا کہ تو جو چاہے
وہ ہو جائے۔

دوسری حدیث قدسی ملاحظہ ہو جناب باری تعالےٰ عزاسمہٗ فرماتا ہے عَبْدِی اَطِعْنِی اَجْعَلْکَ
مِثْلِی، تَقُلْ لِشَیْءٍ کُنْ فَیَکُوْنُ (انسان الواعظین) اے میرے بندے میری اطاعت کر میں
تجھے اپنی مثل بنا لونگا پس تو کہدے کسی چیز سے کہ ہو وہ ہو جائیگی۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کے حصول میں کیا چیز سدِّ راہ ہے۔ غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے خواہشات و جذبات ہی ہیں۔ قرآن نے بھی جا بجا اسی طرح اظہار
کیا ہے کہ ایمان لانے سے لوگوں کو باز رکھنے والی انکی ہوائے نفس ہی رہی ہے۔ خواہشات و جذبات
کا ولولہ اور جوش انسان کو صدائے حق پر کان لگانیکی اجازت ہی نہیں دیتا حالانکہ تمام جذبات
فطری ہیں۔ یہی خواہشات و جذبات ہیں جو ہماری ہدایت کیلئے جسکو مقصد تک پہنچانے کیلئے
زندگانی دنیا صحیح طریقہ پر گزار کر حیاتِ ابدی حاصل کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔ مگر ہمارے خواہشات
و جذبات گردوپیش کی فضا کے اثر سے غیر فطری طرزِ معاشرت اور غیر فطری غذا کے سبب
مسخ ہو کر باعثِ گمراہی ہو جاتے ہیں۔

جذبات کے مسخ ہو جانے کی حالت میں بھی اگر ان میں جوش و ولولہ نہ ہو اور انسان غور و فکر کرے تو شعور حاصل ہونے لگتا ہے۔ بغیر غور و فکر شعور حاصل ہونا ناممکن ہے اور شدت جذبات کے وقت جبکہ جذبات کی لہریں جوش میں ہوں۔ آدمی کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا انسانیت تو یہ ہے۔ کہ ہر خواہش و جذبہ جس وقت پیدا ہو انسان اس پر غور کرے۔ اور سوچے کہ اس خواہش و جذبہ کا مقصد حقیقی کیا ہے۔ اور عقل کی عدالت میں معاملہ پیش کرے جو فیصلہ صادر ہو اس پر عمل کرے مگر جذبات کا جوش اتنی مہلت ہی نہیں دیتا۔ کہ کسی خیال کو ذہن میں آنے دے۔ جذبہ تو اپنی تسکین چاہتا ہے۔ اور آدمی کو اپنی رو میں بہائے جاتا ہے مثلاً جذبہ غم ہمارے نفس میں اس واسطے ڈالا گیا ہے۔ کہ ہمکو اپنے متعلقات اور اپنی ضروریات و لوازمات زندگی کی حفاظت و ضیانت پر مجبور کرتا ہے۔ اسلئے کہ اگر کسی چیز کے ضائع ہو جانیسے نفس کو اذیت نہ ہو تو لاپرواہی لازم ہے۔ مگر چونکہ نفس کی فطرت میں یہ بات ڈالدی گئی ہے کہ اپنی محبوب چیزوں کے ضائع ہو جانیسے اس پر جذبہ غم طاری ہوتا ہے۔ جو اسکو ناگوار ہے۔ لہذا اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہتا ہے۔ پس اس اذیت کا تصور جو کسی چیز کے ضائع ہو جانیسے اسکو پہنچیگی نفس کو مجبور کرتا ہے۔ کہ اپنی مرغوب اشیاء کی حفاظت کرے اور ضائع نہ ہونے دے۔ مگر جب جذبات مسخ ہو جاتے ہیں اور ان میں جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان غم میں اپنا سر پیٹتا ہے اپنی چھاتی کوٹتا ہے اپنے بال نوچتا ہے بعض اوقات دیواروں اور پتھروں سے سر ٹکراتا ہے۔

اگر جذبہ کی شدت نہ ہوتی جوش اور ولولہ نہ ہوتا۔ تو جذبہ غم طاری ہوتے ہی دربار عقل میں معاملہ پیش کیا جاتا اور وہ حکم لگا دیتی۔ کہ اس غم کی لہر کو آنسو بہا کر ساکن کر دو۔ اور کسی مرکز توجہ کیطرف لو لگا کر استغراق پیدا کر لو تاکہ یہ تکلیف رفع ہو جائے۔ جب اضطراری حرکات کا نفس حکم دیتا۔ تو عقل کہدیتی۔ کہ جو چیز ضائع ہو جانی تھی۔ وہ تو ہو چکی۔ اب اپنے جسم کو نقصان پہنچانیسے کیا فائدہ ہے۔ ہرگز کوئی حرکت ایسی نہ کرو۔ جو مقصد جذبہ غم کے منافی ہو۔

اسی لئے جناب رب العزت نے انبیاء و رسل کو بھیجا کہ وہ اسکی مخلوق کو ایسے فطری طریقے بتلائیں جو مسخ شدہ خواہشات و جذبات کے جوش اور ولولہ کو مٹادیں، تاکہ ان کو استعمال کر کے انکے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کے اہلِ عالم اپنے خواہشات و جذبات کا جوش اور ولولہ مٹا کر مقصدِ جذبات کے سمجھنے کے اہل ہو سکیں۔ جذبات کا مقصد صحیح سمجھ لینے سے شعور حاصل ہو گا۔ اور تمام خواہشات و جذبات حقیقی فطری رنگ میں نمایاں ہونگے مثلاً نفس کی فطرت میں ہمیشہ باقی رہنے کی خواہش ہے۔ مگر چونکہ نفس کی خواہش بقا مسخ ہو جاتی ہے وہ اپنی بقا کا انحصار حیاتِ دنیا تک محدود سمجھ لیتا ہے۔ اسلئے کہ زندگانیٔ دنیا تو اس کے شعور میں ہوتی ہے۔ اور حیات بعد الموت کو صرف زبانی ماننا پڑتا ہے۔ اگر شعور پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لیگا کہ کسی بڑی ہستی میں فنا ہونا ہی بقا کا ذریعہ ہے۔ اور جب اس امر کا نفس کو شعور ہو جائیگا۔ تب اسکے ذرائع اور اسباب کیطرف توجہ کریگا۔ ورنہ صرف دنیا میں باقی رہنے کی خواہش رہے گی جسکا ذریعہ محض تسکینِ خواہشات و جذبات ہی ہے۔ لہٰذا اختتام زندگی تک جذبات پرستی میں مصروف رہیگا۔ جسکا نتیجہ ہلاکت ابدی ہے۔

تمام انبیاء و رسل حیات ابدی کیطرف بلانے کیلئے آئے اور سب نے یہی بتلایا کہ اے بندگانِ خدا حصول حیات ابدی کا ذریعہ واحد لا الٰہ الا اللہ پر عمل کرنا ہے۔ تم غیر اللہ کو مطاعِ مطلق نہ بناؤ۔ یعنی کسی کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل نہ کرو خواہ اسمیں تمہارا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ خواہشات و جذباتِ نفس کی پیروی کرنا شرک ہے یہی وہ نجاست ہے جو نفس میں فضا کے اثر سے عقل و شعور نہ ہونے کے سبب پیدا ہو جاتی ہے۔

تمام انبیاء و رسل نے اس پیغام کے دنیا کو پہنچانے کیلئے بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں اور خلق اللہ کے نفوس کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ سب یہی بتلاتے تھے کہ اللہ سے محبت کرو۔ اور اللہ کی محبت تک پہنچانے کیلئے جو طریقے لوگوں کو تعلیم کئے انکو بجا لانیکی ترغیب دینے کیلئے دو جذبات فطری امید اور خوف کو استعمال کیا۔ اسلئے کہ یہی دونوں جذبے

ایسے ہیں کہ اگر نفس میں پیدا ہو جائیں تو دوسرے جذبات کے جوش کو مٹانے کیلئے کافی ہیں لہٰذا تمام انبیاء و مرسلین بشیر و نذیر بنکر آئے ۔

چنانچہ رسول آخر الزمانؐ نے بھی ابتداً ان ہی دونوں جذبات امید و خوف سے کام لیا مگر چونکہ اسکے بعد کوئی نبی آنیوالا نہ تھا۔ لہٰذا اُس نے انتہائی ایثار بھی دکھلایا۔ تاکہ اپنی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے جس سے وہ اپنے محبوب صلعم کی طرز معاشرت کی تقلید کر کے نجاست شرک سے نکل سکیں۔ جو تزکیۂ نفس اور حصولِ حیات ابدی کا ذریعہ ہو جائے ۔

یہ رسول رحمۃ للعالمین تھا اس نے محض اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہمارے قلوب میں اپنی محبت پیدا کرنے کیلئے اپنی اولاد کو بھی قربانیوں کے واسطے وقف کر دیا تاکہ ہماری ہدایت کے اسباب میں جذبۂ غم ایک مزید سبب بن جائے۔ اسلئے کہ یہ جذبہ تمام خواہشات و جذبات کے جوش کو مٹا دیتا ہے۔ اور اگر کچھ عرصہ مسلسل کیفیت غم طاری رہتی ہے تو نفس کی غفلت دور ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایمان قلب میں داخل ہوتا ہے۔ اور حب اللہ پیدا ہو جاتی ہے ۔

قربان ہوں ہماری جانیں اس رؤف و رحیم رسولؐ پر جس نے ہماری ہدایت کا سبب بننے کیلئے اپنی پیاری اولاد سے اپنی حیات ہی میں عہد لے لیا۔ اور اس امانت عظمیٰ کا بار انکے سپرد کر دیا۔ چنانچہ راحت جان رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام نے ایسی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ اور ایسے مصائب عظمیٰ اپنے لئے پیدا کئے۔ جن کا محض تذکرہ سننے سے مخلوق خدا کے قلوب متاثر ہو جائیں امام حسین علیہ السلام نے اس امر کا خاص اہتمام کیا ہے کہ کسی سن اور کسی درجہ کا شخص درد سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ مردوں کو مردوں سے عورتوں کو عورتوں سے۔ ضعیفوں کو ضعیفوں سے متوسط العمر والوں کو متوسط العمر والوں سے جوانوں کو جوانوں سے لڑکوں کو لڑکوں سے لڑکیوں کو لڑکیوں سے مالداروں کو مالداروں سے غلاموں کو غلاموں سے اور پھر سب کو شیرخوار بچوں سے پوری ہمدردی

ہوتی ہے۔ لہذا بچہ سے لیکر بوڑھے تک ہر قسم کی قربانیاں پیش کردیں۔ تاکہ مخلوق خدا کو خواہشات وجذبات پر غالب آنے اور شعور حاصل کرنے کیلئے بیسیوں برس کی ریاضیات شاقہ نہ اٹھانی پڑیں۔ اور خدا تک پہنچنے کا راستہ اسقدر سہل اور آسان ہو جائے۔ کہ کسی ریاضت شدید کی ضرورت پیش نہ آئے۔ صرف حسین کا تذکرہ ہدایت کیلئے کافی ہو جائے۔ انکے آلام ومصائب سنکر درد دل میں بھر جائے نفسوں پر غم کی کیفیت طاری ہو جائے اور جذبہ غم سارے جذبات وخواہشات کے جوش کو مغلوب کرلے۔ جس کے بعد ان کے مقصد صحیح کا شعور حاصل ہو۔ اور انسان عقل وشعور کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہو سکے۔ ایسے رؤف ورحیم آقا پر میرے ماں باپ جان ومال واولاد سب کے سب قربان ہو جائیں۔

دین اسلام کی بناء کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور اس تمام کلمہ کی بنا لا الہ پر ہے اور لا الہ اسوقت تک عملی طور پر نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ نفس پرستی ترک نہ کی جائے یعنی کوئی حرکت وسکون ہمارا خواہشات وجذبات کی تسکین کیلئے نہ ہو بلکہ عقل کی رہنمائی میں انکے مقصد حقیقی کو حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ یہ اسوقت ہو سکتا ہے جب جذبات کا جوش و ولولہ زائل ہو جائے جسکے لئے سوار دوش رسول خدا جناب سید الشہداء مظلوم کربلا نے ہمارے واسطے کافی سے زیادہ اسباب مہیا کر دیئے اور عملی طور پر لا الہ کہہ لینے کو سہل اور آسان بنا دیا۔ لہذا حسین لا الہ کی بنا ٹھیرے جو لا الہ الا اللہ کی بنیاد ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ پر تمام اسلام کا انحصار ہے۔ اس تمام تفصیل کو حضرت خواجہ معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کسقدر خوش اسلوبی سے اپنی رباعی کے ایک مصرعہ میں ظاہر فرمایا ہے ؎

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اب بھی آپ سمجھے کہ اسلام کیا ہے۔ اور رسول اور آل رسول ہم سے کیا

چاہتے ہیں۔ دیکھو قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ رسول کی بعثت کا مقصد وحید مخلوق کا تزکیہ نفس ہے۔ جیسا کہ فرمایا ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وہی ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا تاکہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرے اور انکا تزکیہ کرے اور انکو علم و حکمت تعلیم کرے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ سب سے پہلی چیز تزکیہ نفس ہے جبتک تزکیہ نہ ہو علم اور حکمت مل ہی نہیں سکتے۔ پس جبتک کہ اللہ پر عامل نہ ہو جائے اور نجاست شرک باطنی یعنی نفس پرستی دور نہ ہو۔ کسی شخص کو علم اہلبیت کی چاشنی بھی میسر نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ قرآن کا مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ نہ حدیث رسول کا اور اسی طرح احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام کا مطلب بھی سمجھنے کی قابل نہیں ہو سکتا اسلئے کہ امام کا قول رسول کا قول اور رسول کا کلام خدا کا کلام گویا تمام احادیث اہلبیت احادیث رسول اور قرآن سب کلام اللہ ہی ہیں۔ اور کلام اللہ خود پکار پکار کر سنا رہا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (سوائے پاک کئے ہوئے لوگوں کے اور کوئی اس سے چھو بھی نہ جائیگا) یعنی کلام خدا سے کسی کو مس نہ ہوگا۔ سوائے انکے جنکا نفس پاک ہوگیا ہو۔

اب تو واضح ہوگیا۔ کہ جسکے نفس کا تزکیہ نہ ہوا ہو۔ جو نجاست شرک خفی یا جلی میں مبتلا ہو وہ قرآن یا حدیث رسول و اہلبیت کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتا قرآن نے تزکیہ نفس پر کتنا زور دیا ہے سورہ اعلیٰ میں فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (فلاح اس نے پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) سورہ والشمس میں فرمایا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰىھَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰىھَا (قسم ہے نفس کی اور اسکی جس نے اسکو پورا کیا پس اس پر الہام کردیں۔ ساری برائیاں اور بھلائیاں تحقیق کہ فلاح پائی اس نے جس نے اسکا تزکیہ کیا)

غرضکہ جب تک تزکیہ نفس نہ ہو عملی طور پر لا الہ نہ کہے علم و حکمت حل ہو ہی نہیں سکتی۔ علم کیا ہے علم والوں ہی سے پوچھو۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے اَلعِلمُ نُورٌ۔ علم تو نور ہے۔ وہی نور ہے۔ جو حیات ابدی کا سبب ہے۔ وہی نور ہے جو حقیقی زندگی کی روح ہے۔ جو رحمت ایزدی سے ایمان لانیوالوں کو عطا ہوتا ہے۔ وہی نور ایمان۔ وہی اسلام کی جان ہے دیکھو قرآن کہتا ہے۔ اَفَمَن کَانَ مَیتًا فَاَحیَینٰہُ وَجَعَلنَا لَہٗ نُورًا یَّمشِی بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَن مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیسَ بِخَارِجٍ مِّنھَا (پس وہ شخص جو مردہ تھا۔ ہم نے زندہ کیا۔ اور اسکیلئے نور قرار دیا جس سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُس شخص کی مشابہ رہ سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا اور ان سے نکلنے والا نہ ہو)۔

اب تو معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان والوں کو جناب رب العزت کیطرف سے نور عطا ہوتا ہے۔ پس جب نور قلب میں آئیگا شعور تام پیدا ہو گا۔ تو نفس کی گہرائی میں جو علوم لاشعوری میں پڑے ہوتے ہیں۔ اور تاریکی باطن کیوجہ سے نظر نہیں آتے۔ اس نور کی روشنی میں دکھائی دینے لگیں گے۔ اور تمام کائنات کی حقیقت کا علم حاصل ہو جائیگا کسی کے آگے زانوئے ادب تہ کرنیکی ضرورت نہ رہے گی۔ اور علوم مادی کیلئے مشرکوں اور نفس پرست اہلِ دنیا کے دروازہ پر بھیک مانگنے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ اگر تعلیم قرآن۔ تعلیم اہلبیت صرف اسی قدر ہے۔ کہ دن میں پانچ دفعہ اُٹھا بیٹھی کر لو سال میں ایک مہینہ فاقے کر لیا کرو۔ اور نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور حیض و نفاس کے مسائل تو خدا و رسول اور آلِ رسول سے دریافت کر لو مگر دنیا میں زندگی گزارنے کیلئے دشمنان خدا سے بھیک مانگو۔ اگر ایسا ہی ہے تو قرآن کا دعوےٰ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم۔ آج کامل کر دیا میں نے دین تمہارا۔ صحیح نہیں۔

ممکن ہے یہاں شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ فقط حضرت رسول و آلِ رسول کا ماننا اور دیگر احکام مذہب جو دنیا میں صحیح زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہیں۔ دین میں داخل ہیں

اسکے احکام خدا نے پہونچا کر دیئے۔ دین کامل ہو گیا۔ لہٰذا خدا کا قول سچا ہے۔ تو تم اس کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا اسلئے کہ اگر یہ صحیح ہے۔ تو پھر خدا و رسول اور آل رسول اور قرآن ہمارے لئے کافی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم غیروں کے محتاج ہیں۔ پس جن سے ہماری حاجت پوری ہوتی ہے وہ جو ہماری زندگانی دنیا کیلئے کفایت کرتے ہیں۔ ہم انکو کیوں نہ مانیں۔ جو ایسے ناقص دین کا پشتارا اٹھائے پھریں۔ آخرت کی زندگی تو بعد کی ہے۔ پہلے تو دنیا ہی ہے۔ اور زندگانی دنیا پر ہی حیات آخرت کا دارومدار ہے۔ یعنی حیات آخرت کی تعمیر کی بنیاد حیات دنیا ہی ہے۔ پھر جب خدا و رسول زندگانی دنیا میں ہمارے لئے کافی نہیں تو ان کے ذریعہ سے ہم آخرت کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے خدا و رسول کے ماننے سے فائدہ کیا ہے۔

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ نور ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ قرآن ایمان کی علامت حب اللہ بتلاتا ہے جیسا کہ فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ وہ اللہ کیلئے محبت کرنے میں بہت شدید ہیں) کہیں فرمایا یحبون اللہ (اللہ سے محبت رکھتے ہیں) مگر مشکل تو یہ ہے کہ محبت تو ہم جنس سے ہوا کرتی ہے۔ اللہ تو ہماری جنس نہیں ہے پھر اس سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ اب اسکی تفسیر دریافت کرنی ہو تو بچہ سے دریافت کر لو۔ اسلئے کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ وہی اسکو کھول کر بیان کریگا۔ خالق ارض و سما فرماتا ہے کہ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (وہ اللہ کی فطرت ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا) بچہ کی فطرت چونکہ مسخ شدہ نہیں ہوتی اس سے ہمکو فطرت اللہ کا سبق مل سکتا ہے۔

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے حب اللہ کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا ایک شخص کا بچہ باپ سے بہت مانوس تھا جب وہ سفر پر گیا۔ بچے نے کھیلنا ترک کر دیا۔ اسکا کھانا پینا کم ہو گیا۔ ہر وقت باپ کی یاد میں روتا تھا۔ ایک روز بہت

زیادہ بچپن تھا ایک کاغذ کا پرزہ اسکو دیدیا۔ اور کہدیا۔ کہ تمہارے بابا نے تمکو خط بھیجا ہے
اسکو لیکر اس قدر خوش ہوا کہ چیختا تھا۔ چلاتا تھا "میرے بابا کا خط" آخر دونوں ہاتھوں سے
پکڑ کر سینہ سے لگا لیا۔ یہانتک کہ اسی حالت میں سو گیا۔

خدا کے ماننے والو۔ اس پر ایمان لانیوالو۔ دیکھو اس نے تمہارے لیے اپنی محبت کا
رستہ کس قدر سہل اور آسان کر دیا ہے تم کچھ سمجھے کہ بچے نے حب اللہ کی کیا تفسیر بتائی بچہ
بتلا رہا ہے۔ کہ اللہ کی محبت اسکی نشانیوں کی محبت ہے۔ اللہ کے بچو۔ اس نے اپنی
سب سے بڑی نشانی اپنے نور کا آئینہ اپنے پیارے رسول کو تمہاری جنس بنا کر تم میں
بھیج دیا اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنا خط بھی بھیج دیا یعنی وہ قرآن لیکر آیا۔

اسی طرح سے رسول کی محبت اس کی نشانیوں کی محبت ہے جسکو رسول سے
محبت ہوگی اسکو تو رسول کی زبان چوسنے والے۔ رسول کے کاندھوں پر چڑھنے والے
رسول کو اونٹ بنا کر اس پر سواری لینے والے۔ رسول کی زلفوں کو مہار بنانے والے رسول
کی گود کے پالے حسین سے بیحد محبت ہونی چاہیئے۔ اب تو واضح ہوگیا کہ حسین کی محبت
رسول کی محبت رسول کی محبت خدا کی محبت خدا کی محبت نور ایمان اور نور ایمان حیات ابدی ہے
یہی منزل فنا فی اللہ اور درجہ وصال الہی ہے۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حسین
کی محبت ہی دین ہے۔ حسین کی محبت ایمان ہے حسین کی محبت حب رسول ہے۔
حسین کی محبت حب اللہ ہے حسین کی محبت وصل اللہ ہے حسین کی محبت نور اللہ
ہے جو اسوقت تک نہیں مل سکتی جبتک کہ تزکیہ نفس نہ ہو اور لا الہ نہ کہہ لے اسکے
بعد وہ محبت ہی الا اللہ کہلواتی ہے جوں جوں محبت بڑھتی ہے۔ دل میں نور بڑھتا ہے
علم و حکمت بڑھتی ہے انکشاف حقیقت ہوتا ہے اور حب اللہ شدید ہو جاتی ہے
اس وقت بندہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے یعنی عبد کی مرضی معبود کی مرضی اور معبود کی
مرضی عبد کی مرضی ہو جاتی ہے۔ اور بندہ کا چاہا۔ خدا کا چاہا۔ بندہ کی منشا خدا کی منشا ہو جاتی

ہے۔ لہذا جو بندہ چاہتا ہے وہی خدا چاہتا ہے۔ اور جو خدا چاہتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

اب تو بالکل واضح ہو گیا۔ کہ حسین کی محبت ہی اس منزل پر پہنچانیوالی ہے کہ صفات
الٰہیہ بندہ میں پیدا ہو جائیں۔ اور بندہ جو چاہے وہ فوراً ہو جائے۔ جس چیز کی خواہش کرے
وہ فوراً موجود ہو جائے۔ اور یہی اہل جنت کی منزل اعلیٰ ہے۔ جسکو قرآن نے بتایا
لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ۔ اور دوسری جگہ وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ۔ یعنی وہاں وہ جو
چاہیں انکے لئے موجود۔ اور جس چیز کی خواہش کریں فوراً حاضر۔ جب جنت کی اعلیٰ منزل
یہ ہو تو اسکو حقیقی مقصود نہ سمجھ کر صرف درخت و پھول پھل تک محدود کرنا کس قدر ظلم ہے۔

اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا۔ کہ جذبۂ ہمدردی کی تسکین کے لیے مصائب حسین
پر رونا بجائے فائدہ کے الٹا نقصان پہنچاتا ہے۔ البتہ جو شخص مصائب حسین سنکر دل
سے توجہ کرے۔ اور کیفیت درد و غم نفس پر طاری کر کے روئے۔ اسکے نفس کا تزکیہ
ہو جائیگا وہ عملی طور پر لا اِلٰہ کہہ لیگا۔ اُسوقت حسینؑ کی محبت پیدا ہوگی۔ جو عین
حب رسول اللہ ہی حب اللہ ہے۔ اور حُب اللہ ہی سبب وجوب جنت ہے
لہذا حسین پر رونے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اَب تو بالکل واضح ہو گیا۔ کہ مَنْ بَکیٰ عَلَی الْحُسَیْنِ کا مفہوم حقیقی کیا ہے۔
دیکھئے جو شخص حسین پر روئے اور مصائب حسین اس غرض سے سُنے کہ اپنے دل کو
درد و الم سے بھر سکے اور تڑپ پیدا کرے۔ تو چند سال میں ہی اُسکے نفس کی
غفلت اور لاشعوری دور ہو جائے گی۔ اور اسکو نور حقیقت مل جائیگا۔ حب اللہ
حاصل ہو جائیگی۔ اشیاء غیب کا شعور ہو جائیگا۔ لہذا وہ شخص خواہ سکھ ہو یا ہندو
شیعہ ہو یا سُنی۔ عیسائی ہو یا یہودی مومن ضرور ہو جائیگا۔ پھر خواہ وہ ایمان کو
دل میں چھپائے رہے یا ظاہر کر دے۔ اسکا اسکو اختیار ہے۔

عزاداری یہ امر تو بالکل واضح ہو گیا۔ کہ حسین پر رونے سے جنت کس طرح

واجب ہو جاتی ہے مگر ایک خیال مجھ کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ کہ حضور سرورِ کائنات نے اپنی اولاد کی قربانیاں امت کی نجات کیواسطے ہی پیش کی ہیں۔ اور امام حسین علیہ السلام نے اُمت کے گناہ بخشوانے کیلئے ہی اپنا سر دیا ہے حسین گنہگارانِ اُمت کی شفاعت ضرور کرینگے۔ پھر ہماری نجات تو یقینی ہے ٭

عارف :۔ بھائی یہ تو درست ہے۔ کہ حسین نے اُمت کی شفاعت کا بیڑا اُٹھا کر اپنا خونبہا نجات خلق کو ہی ٹھہرایا ہے۔ مگر آپ لوگوں کا یہ خیال کہ حسین نے ذبح ہو کر ہمارے گناہ معاف کرا دئے اور ہمیں آخرت میں بخشوائیگا۔ کس قدر قابلِ شرم ہے۔ گناہ تو خود کریں۔ اور حسین کو قربانی کا بکرا ٹھہرائیں۔ یہ عقیدہ تو عیسائیوں نے لیا گیا ہے۔ کہ اُمت کے گناہوں پر حضرت عیسیٰ قربان ہو گئے۔ اب اہلِ دنیا آزاد ہیں جتنے چاہیں گناہ کریں صرف گرجا میں جا کر اعتراف گناہ کر لیا کریں۔ سارے گناہ پہلے ہی بخشے گئے ہیں گناہ سے پہلے ہی خدا کا بیٹا ان کے گناہ کی سزا پا چکا۔ ایسا ہی آپ کا بھی عقیدہ ہے۔ کہ قیامت تک پیدا ہونے والے شیعوں کے گناہوں کی سزا کربلا میں آلِ رسول کو مل گئی۔ تف ہے ایسے فاسد عقیدوں پر ٭

عزادار :۔ آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں حسین شفاعت کریگا۔ اور اس نے اپنا خونبہا نجات مخلوق کو قرار دیا ہے ٭

عارف۔ سخت افسوس ہے۔ کہ آپ کسی بات پر غور نہیں کرتے۔ دیکھو تمام دعاؤں میں خاص کر جوشن کبیر میں دکھلایا گیا ہے۔ کہ خدائی کاموں کے راز کیا ہیں۔ روز پڑھتے ہو اور نہیں سمجھتے۔ آپ پڑھتے ہیں یَا کَافِیَ لِمَنِ اسْتَکْفَاہُ یَا شَافِیَ لِمَنِ اسْتَشْفَاہُ۔ یَا نَاصِرَ لِمَنِ اسْتَنْصَرَہُ۔ یَا غَافِرَ لِمَنِ اسْتَغْفَرَہُ اے کفایت کرنیوالے اسکے جو اس سے کفایت چاہے۔ اے بیماریوں سے اچھا

کرنیوالے اسکے جو اس سے یہ چاہے کہ مجھے بیماری سے اچھا کر دے۔ لے مدد گار اس کے جو اس سے مدد چاہے اور لے بخشنے والے اسکے جو اس سے بخشش چاہے) اور ایسے ہی فقرے دعائیں بھری پڑی ہیں۔ اب بھی سمجھو اور غور کرو کہ خدا کے امور دنیا و آخرت کا انحصار ہماری اس زندگی میں رغبت اور خواہش کرنے ہی پر ہے۔ پس حسین کی شفاعت کا انحصار بھی ہماری رغبت اور خواہش پر ہے حسین اسی کی شفاعت کریگا۔ جو اس سے شفاعت چاہے۔ وہ تو دنیا اور آخرت کا شفیع ہے جس نے دنیا میں حسین سے شفاعت چاہی۔ اسی کی آخرت میں بھی شفاعت کریگا جو شخص دنیا کی محبت اور نفس پرستی میں مبتلا ہو اور حسین سے شفاعت چاہے یعنی حسین کو واسطہ اور ذریعہ قرار دے اس کے مصائب اور مناقب سننے کو اپنے نفس کی طہارت کا ذریعہ بنائے۔ اسکو خدا پاک کر دیگا اور اگر زندگانی دنیا میں طہارت اور تزکیہ میں کمی رہ جائیگی تو بھی حسین سے لو لگائے رہنا عالم برزخ میں ذریعہ تزکیہ ہو جائیگا اور اگر عالم برزخ میں بھی کچھ کمی رہی تو قیامت میں پوری ہو جائیگی۔ مگر جب کوئی چاہے ہی نہیں۔ تو پھر ابد الآباد عذاب خدا میں گرفتار رہیگا۔ اور دنیا میں سوائے حسین کے اور ایسی کونسی ہستی ہے۔ جو ربِ الم ہو۔ پروردگار درد ہو۔ خداوند غم ہو کہ جس کی صرف یاد حالت لاشعوری میں ہی نفس میں تڑپ پیدا کر دے۔

دیکھو جب دنیا و آخرت کے تمام کاموں کا انحصار انسان کی اپنی رغبت پر ہے تو کوئی شخص نہ صراط مستقیم دیکھ سکتا ہے۔ نہ اس پر چل سکتا ہے۔ اور نہ ہلاکت ابدی سے نجات پا سکتا ہے۔ جبتک کہ اسکو خواہش و رغبت نہ ہو۔ گویا رغبت نفس انسان ہی دنیا و آخرت میں فوز عظیم کا ذریعہ ہے۔ اور حسین نے اپنا خون بہا ایک رغبت کو قرار دیا ہے جو ذریعہ نجات ابدی ہے فطرت انسانی ہے بلکہ مظلوم سے ہر نفس میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اور دل اسکی طرف کھنچنے لگتا ہے جو رغبت پیدا کرنے کا

باعث ہے حسین کیطرف رغبت ہی باعث ہدایت اور سبب بخشش ہے۔ اور یہی حسین کی شفاعت ہے۔ وہ تو رحمت للعالمین کا فرزند ہے اس نے تو تمام عالم کے ہر فرد کیلئے خواہ کسی قوم کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو بخشش اور شفاعت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ آپ اسکو اپنے گروہ پر منحصر سمجھے بیٹھے ہیں۔ اللہ اکبر حسین کی محبت کی یہ شان کہ وہ تو تمام مخلوق سے محبت کرنیکا سبق پڑھا گئے۔ اور آپ حسینی ہونیکے مدعی ہو کر نفرت کو جزو مذہب قرار دیں +

عزادار۔ مگر جناب تولا و تبرا تو فروع دین سے ہے اور جزو مذہب ہے۔ یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے۔ تبرا تو لازمی چیز ہے۔ کیا ہم تبرا کرنا چھوڑ دیں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر تو ہم اسلام سے ہی خارج ہو جائینگے +

عارف۔ بھائی صاحب یہ سب لاشعوری کی باتیں ہیں میاں کا الہ تبرا اور الا اللہ تولا ہے۔ یہ تو اصل اصول دین ہے۔ اسکو فروع دین کون بیوقوف کہتا ہے۔ بلکہ خود تولا کی بنا ہی تبرے پر ہے۔ جبتک تبرا نہ ہوئے تولا ہو ہی نہیں سکتا مگر آپ تو یہ فرمایئے کہ آپ خود بھی تبرا کرتے ہیں یا نہیں +

عزادار۔ تبرا تو ہمارا دین ہے تبرا تو ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو دشمنانِ اہلبیت پر لعنت کہنا اپنا دین سمجھتے ہیں۔ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا کریں +

عارف:۔ کیوں جناب کیا لعنت کہنا تبرا ہے +

عزادار:۔ جی ہاں تبرا نہیں تو کیا تولا ہے۔ اسی طرح تو تبرا کہا جاتا ہے اور کیا تبرے کے سر سینگ ہوتے ہیں +

عارف۔ آیئے میں تبرے کے سر سینگ بھی دکھلادوں۔ دیکھئے۔ جناب امیر المومنین نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم سے کہا جائیگا

کہ تم علی پر لعنت کہو۔ تو وہ بزرگ رونے لگے اور عرض کی مولے۔ میں اسوقت کیا کروں۔ مولے نے فرمایا۔ کہ مجھ پر لعنت کہہ دینا مگر مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ اسلئے کہ میں حق پر ہوں۔ اب آپ یہ تبلائیے۔ کہ آپ جو لعنت کہنے کو تبرا سمجھے ہوئے ہیں یہ کہانتک درست ہے؟

عزادار۔ یہ تو واقعی حیرت کی بات ہے۔ جب لعنت کہنا تبرا نہیں ہے تو پھر تبرا کیا ہے؟

عارف: بھائی صاحب تمام اسلام اور سارے کا سارا دین لا الٰہ الا اللہ میں بھرا ہوا ہے۔ اسی پر آپ غور نہیں کرتے۔ یہ تو میں آپ پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ لا الٰہ کہنے سے لا الٰہ ہو نہیں جاتا۔ بلکہ پہلے لا الٰہ پر عمل کرو تب کہو گے تو سچ ہوگا۔ ورنہ جھوٹ اور نفاق جس طرح لا الٰہ پر عمل کرکے زبان سے کہنے سے اس عمل کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تبرا عمل کا نام ہے۔ جو کیا جاتا ہے۔ اور جب پورا پورا عمل کرلے تب اس کا مستحق ہوتا ہے۔ کہ زبان سے بھی اسکا اظہار کر سکے بھائی سمجھو تبرا کے معنی بیزار ہونا، چھوڑ دینا کسی سے تبرا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسکی نقل نہ کریں۔ اسکے جیسے کام نہ کریں۔ اس کی پوشاک اسکی بود و باش اسکی طرز معاشرت کو اختیار نہ کریں۔ بلکہ اس سے پرہیز کریں۔ کہ کسی بات میں کسی چیز میں خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی۔ اس سے مشابہت نہ رکھیں۔ اسلئے کہ اگر مشابہت ہوگی۔ تو حدیث من تشبہ بقوم کی رو سے ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ اور تولا کے معنی محبت کرنا۔ محبت کا مقتضی ہے محبوب کی نقل کرنا۔ اسکے جیسے کام کرنا اس کی جیسی خواہشات و جذبات بنا لینا۔ اب آپ خود ہی غور کریں۔ کہ آپ کی زندگانی دنیا آپ کے اعمال آپ کا طرز رہائش آپکے خواہشات آپکے جذبات یہ تمام اہلبیت سے مشابہت رکھتی ہیں یا نہ یا عدو تا ملاحظہ بین کی تصویر ہیں

اب بھی دیکھا کہ آپ تو اہلبیت سے تبرّا اور اُنکے قاتلوں سے تولا کر رہے ہیں اور زبان سے اہلبیت سے تولا اور انکے قاتلوں سے تبرے کا اظہار کرتے ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر نفاقِ عظیم اور کیا ہو سکتا ہے بقیۃ آل رسول صاحب کے آنیوالا ہے اور وقت قریب ہے۔ اب بھی توبہ کر کے اہلبیت کے قاتلوں سے تبرا کریں تاکہ اہلبیت سے تولا کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے اسلئے کہ بغیر انکے قاتلوں سے تبرا کئے اہلبیت سے تولا ممکن ہی نہیں ؟

عزادار۔ جب بقول آپ کے ہم بالکل غلط راستہ پر ہیں۔ تو عزاداری میں جو اکثر معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اسکا کیا سبب ہے۔ کیا یہ ہماری حقانیت کی دلیل نہیں ؟

عارف:۔ جناب جو قوم بھی عزاداری کرتی ہے۔ ہندو، سکھ، حنفی، شیعہ اسمٰعیلی ہر ایک کے یہاں معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ حسین کی حقانیت کی دلیل ہے۔ نہ کہ ان لوگوں کی جو عزاداری کرتے ہیں۔ اگر اسکو عزاداروں کی حقانیت کی دلیل ٹھہرایا جائے۔ تو غیر مسلم عزاداروں کے یہاں معجزات و کرامات کا ظہور آپ لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا غیر شیعہ عزادار بہ نسبت شیعوں کے زیادہ حق پر ثابت ہونگے ؟

عزادار:۔ ہاں یہ بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ آج تو آپ نے میری آنکھوں سے پردۂ غفلت ہٹا دیا۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ جناب نے تو حدیث بکی علی الحسین کو قرآن سے ثابت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن بجائے اس کے ہماری جڑ بنیاد ہی کھود کر پھینک دی ؟

عارف۔ آنجناب کو شعور ہی نہ ہو۔ تو میں کیا کروں۔ میں تو اسکو ثابت کر چکا۔ اگر آپ اور وضاحت چاہتے ہیں۔ تو یہ بتلائے کہ مخلوق پر خدا کی عبادت قرآن

کی رُو سے واجب ہے یا نہیں۔ کیا قرآن نے بار ہا تکرار نہیں کیا فاعبدنی میری عبادت کر اور فاعبدون میری عبادت کرو۔ کیا یہ امر کے صیغے نہیں ہیں ؟

عزادار۔ بھائی میں اس سے کب انکار کرتا ہوں قرآن نے ضرور کہا ہے اور یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا کی عبادت واجب ہے ؟

عارف۔ ذرا یہ تو بتلایئے کہ عبادت کے معنی کیا ہیں ؟

عزادار۔ عبادت کے معنی بندگی کرنا۔ غلامی کرنا ؟

عارف۔ غلام کس کو کہتے ہیں۔ وہ کون ہوتا ہے ؟

عزادار۔ غلام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا مملوک ہو آزاد نہ ہو ؟

عارف۔ اچھا تو مطلب یہ ہوا کہ غلام یا بندہ یا عبد اس ذات کو کہیں گے جو اپنی ذات کا خود مالک و مختار نہ ہو۔ بلکہ غیر اسکا مالک ہو جسکو اس غلام کی ذات پر مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو۔ تو جب مملوک عبد ہوا تو مالک اس کا معبود ہوا اور جو خدمت جو کام مالک کیلئے غلام کرے گا۔ وہی اس غلام کی عبادت ہوگی ؟ غلام نہ ہونے کی حالت میں اپنی ذات کیواسطے جتنے کام ایک شخص خود کرتا ہے غلام کی موجودگی میں آقا کے کرنیکے کام اسکے واسطے غلام سرانجام دیتا ہے۔ یہی اس عبد کی عبادت ہے۔ معبود حقیقی کے غلامو سوچو اور سمجھو تمہارا آقا اپنی جلالت قدر کے سبب اپنا کوئی کام بلا حجاب اور بلا واسطہ نہیں کرتا۔ رزق پہنچانا اس کا کام ہے۔ ایک رازقیت پر ہی کتنے حجاب ڈالتا ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے بندوں کو پکی پکائی روٹیاں آسمان سے بھیجدے۔ بلکہ مٹی کھاد ہل بیل۔ کاشتکار۔ زمیندار۔ بازار بقال خریدار۔ آگ۔ پانی۔ ہوا نان پز وغیرہ وغیرہ جب اتنے حجاب رازقیت پر پڑ چکتے ہیں تب کہیں روٹی کھانی نصیب ہوتی ہے ؟

غرضیکہ صفات الٰہیہ کا مظہر بننا ہی عبادت ہے بشرطیکہ وہ کام خالصتاً لوجہ اللہ کیا گیا ہو۔ مثلاً عقد کا مقصد صفت خالقیت کا اہل و عیال کی پرورش و تربیت ربوبیت اور رازقیت کا مظہر بننا ہے اگر یہ تمام کام تسکین جذبات کیلئے کئے تو بندگی نفس اور شرک ہے اور اگر خدا کیلئے کئے تو عبادت اب دیکھنا چاہئے کہ افضل ترین عبادات کیا ہے۔ انسان کیلئے نعمت حقیقی حیات ابدی ہے۔ اور جناب رب العزت ہی معطی نور اور ہادی خلق ہے۔ لہٰذا اس صفت کا مظہر بننا یعنی تزکیہ نفس مخلوق کی کوشش کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

اب بھی خیال شریف میں آیا۔ کہ حسین پر حصول درد کے لئے رونا۔ خواہشات و جذبات کو مٹانیکا ذریعہ ہے۔ جسکے بغیر عبادت الٰہی ناممکن ہے۔ لہٰذا عزائے حسین قرآن کی رو سے واجب قرار پاتی ہے۔

عزادار۔ مجلس کا تو آپ نے ثبوت دیدیا۔ حسین پر رونے سے واقعی جنت واجب ہوتی ہے۔ اور قرآن کی رو سے واجبات میں سے ہے۔ مگر تباکی پر روشنی نہ ڈالی کہ رونے والے کی صورت بنانے پر جنت کیسے واجب ہوتی ہے؟

عارف۔ غور کیجئے نفس انسان کی فطرت ہے کہ جو علامات ظاہری کسی جذبے سے جسم پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر ارادتاً وہی کیفیات اعضائے ظاہری پر طاری کی جاویں تو نفس بھی اس جذبہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی جذبہ کی لہریں نفس میں اٹھنے لگتی ہیں۔ مثلاً جو حالت اور جو آثار ظاہری جسم انسان پر جذبہ غم میں طاری ہوتے ہیں۔ اگر وہی آثار۔ بالارادہ تصنع کر کے جسم پر طاری کئے جائیں تو نفس پر بھی جذبہ غم طاری ہو جائیگا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی شخص غمگین صورت بنائے تو اسکے نفس پر بھی کیفیت غم طاری ہوگی۔ اسی کو تباکی یعنی رونے والے کی صورت بنانا کہتے ہیں۔ لہٰذا صرف بکی ہی نہیں تباکی بھی قرآن کے حکم سے

واجب ٹھیرتا ہے۔ کیونکہ اسی سے اصلاح نفس ہوتی ہے۔ اور عملی طور پر کا اللہ کہنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایمان لانا ہر فرد پر قرآن کی رو سے واجب ہے۔ اور یہ ایمان لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لہٰذا واجب ہوا +

عزادار:۔ رونے رلانے اور غمگین صورت بنانے کے وجوب کا ثبوت تو آپ نے خوب دے دیا۔ مگر علمبرداری اور ماتمی جلوس کے نکالنے کا اب تک آپ نے کوئی تذکرہ نہ کیا۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

عارف:۔ دیکھو یہ بات تو ثابت ہو چکی۔ کہ حسین کے مصائب لوگوں کو سنانا ان کے نفوس کو لا الٰہ کی طرف بلانا اور بندگی نفس سے ہٹا کر خدا کی طرف لانا ہے۔ یہ پہلے تفصیلاً ثابت کر چکا ہوں۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں۔

اب آپ اس پر غور کریں۔ کہ اگر کسی گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوں۔ تو تمام اہلِ محلہ سبب گریہ دریافت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور ان کے نفوس کو سکون نصیب نہ ہو گا۔ جب تک کہ سبب معلوم نہ کر لیں۔ مگر یہ چیز اہلِ مجلس کے ہمسایہ تک محدود رہی۔ دیگر اہلِ شہر کو واقفیت حاصل نہ ہوگی۔

اب آپ غور کریں۔ کہ ایک شخص بازار میں روتا ہوا نکل جائے۔ تو تمام بازار والوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہو گا۔ جو یہ نہ دریافت کرلے۔ کہ میاں تم روتے کیوں ہو۔ اور اگر رونے کے ساتھ سینہ بھی پیٹ رہا ہو۔ اور اپنا برا حال بنایا ہوا ہو۔ تو کیا کوئی فرد بھی تماشائیوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ جو سبب معلوم کرنے کے لئے بےچین نہ ہو جائے۔ اور تاثر قبول نہ کرے۔ سوائے اس کے جو شقاوت ازلی میں مبتلا ہو۔ لہٰذا ثابت ہو گیا۔ کہ حسین کا مخلوقِ خدا سے تعارف کرانے کے لئے ہر وہ طریقہ جس سے لوگوں کے قلوب پر اثر ڈالا جا سکے۔ اختیار کرنا لازم ہے۔ خواہ شعر و شاعری ہو یا راگ و راگنی تان و گٹکری ہو یا نے اور ستر مضمون

افزائی ہو یا لطیفہ گوئی چھاتی پیٹنا ہو یا پشت زخمی کرنا سب چیزیں اللہ ہی ایں اگر حسب
فہرست اس کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس مذاق کے لوگ ہوں جس طریقہ سے وہ
اثر قبول کر سکتے ہوں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر یہ سب کچھ حصول مقصد کیلئے کیا جائے
تو خدا کی عبادت۔ اور اگر محض ادائے رسم ہو اور "میرے مذہب کے جذبہ کی تسکین کیلئے
ہو جو باعث حظ نفس ہے تو خدا کی لعنت اور اسکا عذاب ہوگا۔

یہ امر تو بالکل واضح ہو چکا کہ بازاروں میں ماتمی جلوس نکالنا حسین کا ذکر لوگوں
تک پہنچانیکا بہترین ذریعہ ہے۔ اور حسین کیطرف توجہ دلانا لا الہ الا اللہ کی طرف
بلانا ہے۔ جو کہ احیائے نفوس کا باعث ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ من قتل نفساً
فکانما قتل الناس جمیعاً و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً۔ جس نے
ایک نفس کو قتل کیا۔ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک نفس کو
زندہ کیا۔ اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اللہ اکبر اس سے بہتر اور کونسی
عبادت ہو سکتی ہے۔ یہی افضل ترین عبادات ہے۔ اور کلام اللہ کی رو سے واجب
ہے۔

عزادارِ حسین۔ یہاں تو آپ نے واضح ثبوت پیش نہ کیا۔ اگر آپ یہ کہتے
کہ ماتمی جلوس نکالنے سے اندروئے قرآن جنت واجب ہوتی ہے تو ایک حد تک
صحیح تھا۔ مگر آپ قرآن سے اسکا وجوب نہیں ثابت کر سکے۔

عارف۔ بھائی دیکھو مجلس کے متعلق تو میں دکھلا چکا ہوں کہ یہ لا الہ
سکھنے کا ذریعہ ہے اور لا الہ کہنا خاص خدا ہی کی اطاعت۔ قرآن جگہ جگہ پکار پکار کر کہہ
رہا ہے۔ کہ تم ایمان لاؤ۔ پس ایمان لانا قرآن کی رو سے واجب ہے یا نہیں۔

عزادار۔ جی ہاں ایمان لانا تو ہر شخص پر واجب ہے۔

عارف۔ اچھا تو بغیر لا الہ الا کہے کوئی ایمان لا سکتا ہے؟

عزادار۔ بغیر لا الٰہ الا اللہ کہے کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔

عارف۔ بھائی تو قرآن کی رو سے لا الٰہ الا اللہ کہنا واجب ہوا۔ اور لا الٰہ الا اللہ اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ عملی طور سے لا الٰہ نہ کہہ لے۔ اور اس کیلئے بہترین ذریعہ عزائے حسینؑ ہی ہے۔ لہٰذا از روئے قرآن واجب ہوا۔

دیکھو قرآن کی رو سے ایمان لانا واجب۔ ایمان لانے کیلئے لا الٰہ الا اللہ کہنا لازم اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کیلئے لا الٰہ عملی طور پر پہلے کہنا واجب۔ جو عزائے حسینؑ ہی سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عزائے حسینؑ قرآن کی رو سے سارے واجبات میں سب سے پہلا واجب ہے۔

عزادار۔ یہ آپ نے کیسے فرمایا۔ کیا صرف عزائے حسینؑ پر ہی لا الٰہ کہنے کا دارومدار ہے۔

عارف۔ بھائی ذرا خیال تو فرمایئے۔ کہ لا الٰہ کہنے یعنی نفس کشی کر کے خواہشات اور جذبات پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے اگر حسینؑ کا دامن نہ پکڑا جائے۔ تو صرف دو اور راستے رہ جاتے ہیں (۱) جہاد بالسیف (۲) ریاضات اور مجاہدات نفسانی۔

ان میں سہل ترین ذریعہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔ جب انسان ساری دنیا سے تعلقات منقطع کر کے خدا کی راہ میں لڑنے کیلئے نکلتا ہے۔ تو اسکا نفس دنیا سے بے تعلق اور تمام خواہشات و جذبات سے منقطع ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ قربانی دینے کی نیت سے ہی نکلا ہو۔ اور توجہ الی اللہ کر کے چلا ہو۔ مگر چونکہ لڑائی پر جانے میں موت کا یقین کامل نہیں ہوتا اس وجہ سے ہر شخص مرنے کیلئے گھر سے نہیں نکلتا۔ لہٰذا تزکیہ بھی یقینی نہیں۔ پس یہ طریقہ طہارت نفس کیلئے ناقص قرار پاتا ہے۔ لے دے کے دوسری صورت اس کیلئے مدت مدید درکار ہے۔ کم از کم بیس سال تو مجاہدہ نفس میں گزارے۔ تب کہیں لا الٰہ الا اللہ عملی طور پر کہہ سکیگا۔

عزادار :۔ یہی لئے تو میں کہتا ہوں کہ آپکا دعوےٰ وجوب عزا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے کہ ایک شخص عزائے حسینؑ کی بجائے مجاہدہ نفس اختیار کرتا ہے مقصد تو لاالہ کہنا ہے۔ سو وہ بھی کہہ لیگا ۔

عارف ۔ دیکھئے میں ابھی ثابت کئے دیتا ہوں۔ سنئے ہر شخص پر لاالہ الا اللہ کہنا اور غیر اللہ کو دل سے نکالدینا واجب ہے یا نہیں ۔

عزادار ۔ جی ہاں واجب ہے۔

عارف ۔ اچھا تو بتلائیے جس شخص پر آج یہ امر واضح ہو جائے کہ لاالہ الا اللہ کہنا لازم ہے تو اسپر یہ آج ہی واجب ہو گا یا بیس برس بعد۔

عزادار ۔ ہاں۔ ہاں یہ بات تو واقعی ٹھیک ہے۔ وہ تو شعور میں آتے ہی اور معلوم ہوتے ہی کہنا واجب ہو جائیگا ۔

عارف ۔ اچھا بتائیے اگر کوئی راستہ ایسا ہو کہ جس سے ایک دن میں لاالہ عملی طور پر کہہ جا سکے۔ تو کیا اسکا اختیار کرنا واجب نہ ہو گا ۔ اسلئے کہ اگر اسنے وہ اختیار نہ کیا تو آج لاالہ نہ کہہ سکیگا۔ پس جب لاالہ کہنا واجب اوّل اور سب سے پہلا فرض ہے تو جو شخص علم رکھتے ہوئے چھوٹے سے چھوٹا راستہ چھوڑ کر راہِ طویل اختیار کریگا۔ وہ بہت عرصہ تک ترکِ واجب میں مبتلا رہیگا۔ اور اگر لاالہ کہنے سے پہلے موت آ گئی۔ تو چونکہ اس نے چھوٹے سے چھوٹا راستہ اختیار نہ کیا تھا اپنے ان اعمال کا معاوضہ بھی نہ پا سکیگا۔ جو وہ بجا لا رہا ہا بلکہ ترک واجب کے مواخذہ میں گرفتار ہو گا ۔

عزادار ۔ ہاں بھائی اب تو بالکل واضح ہو گیا۔ کہ عزاداری حقیقتاً واجب ہے۔

عارف ۔ ہاں صاحب آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ اب یاد رکھیں۔ کہ قرآن کے حکم سے لاالہ کہنا واجب اور جس وقت شعور ہو اسی وقت واجب۔ مگر چونکہ اس کے کہنے میں کچھ نہ کچھ مدت ضرور صرف ہوتی ہے۔ لہذا اسہل ترین راستہ کا اختیار کرنا بھی

قرآن کے حکم سے مخلوقِ خدا پر سب سے پہلا واجب اسلئے عزائے حسینؑ اسلام کا فرض اولین ٹھہرتا ہے ۔

اسی طرح مخلوقِ خدا کو لا الہ کیطرف بلانا تمامی عبادات سے افضل و برتر ہے تبلیغ واشاعت لا الہ الا اللہ واجب ہے ۔ جو اگر وعظ و پند کے ذریعے سے کی جائے تو لوگوں کے نفوس حالت شعوری میں یعنی بالارادہ توجہ کرہی نہیں سکتے ۔ اور حالت لاشعوری میں اس سے متاثر ہونا محال ۔ لہذا حسینؑ کے ماتمی جلوس کے سوائے اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس سے مخلوقِ خدا کے نفوس کو حالت لاشعوری میں لا الہ الا اللہ کیطرف بلایا جا سکے ۔

پس واضح ہو گیا ۔ کہ حسینؑ کے ماتمی جلوس کا نکالنا بحکم خدا واجب ہے عزیز من آپ نے دیکھا ۔ کہ ہمارے پاس جناب رب العزت کی کتنی بڑی نعمت موجود ہے اگر اس قربانی کو منشائے خدا اٹھایا جاتا ۔ تو اب تک تمام روئے زمین پاک و پاکیزہ ہو جاتی مگر واۓ برحال ما کہ ہم نے اسکو نجاست باطنی دور کرنے کے بجائے عزاداری شرک کا ذریعہ بنا لیا ۔ یہی سبب ہے کہ شیعہ حضرات اکثر ایسے کام کرتے نظر آئیں گے ۔ جو قربانی حسینی کے ذبح کرنیکے مترادف ہیں ۔

عزادار ۔ حضرت خدا کے واسطے بتائیے وہ ایسے کونسے کام ہیں ۔

عارف ۔ و سنو ۔ آپ اتنا تو سمجھ ہی چکے کہ حسین مظلوم کی اس عظیم قربانی کا مقصد لوگوں کے دلوں کو دوسرے ہر طرح نجاست شرک سے نکالنا اور نور محبت عطا کرنا ہے فطرت انسانی ہے ۔ کہ درد و مصیبت کا حال سنکر قلب میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے جس سے حق سننے کیلئے تیار ہو جاتا ہے ۔ اب آپ خود ہی غور کر لیں ۔ کہ جو کام لوگوں کے دلوں میں شقاوت پیدا کرے ۔ نفرت اللہ سمجھتی پڑھائے ۔ وہ خونِ حسینیؑ کے اثر کو مٹانیوالا ہوگا یا نہیں ۔

عزادار:- بھائی پھر ہم کونسے ایسے کام کرتے ہیں؟

عارف:- سنو! اس تمام ماتم مجلس مرثیہ علمبرداری کا مقصود حقیقی یہ تھا کہ پہلے اپنے اور بعدہٗ دیگر مخلوقِ خدا کے نفسوں کو نجاستِ شرک سے پاک کرتے مگر آپ نے اپنی جہالت کی بنا پر مجالس میں دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی ہجو شروع کر دی جس سے لوگوں کے دلوں میں سختی اور شقاوت پیدا ہوئی۔ اور نجاستِ شرک بڑھتی رہی۔ دوسروں کو تو آپ نے یہ نقصان پہنچایا۔ اب ذرا اپنے نفوس کا حال بھی ملاحظہ فرمائیے یہ تو میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ ہجو سننے سے نفس بہت محظوظ ہوتا ہے۔ اور مقصد ذبحِ عظیم انقطاعِ حظِ نفس ہے نہ کہ اسکا حصول۔ لہذا آپ نے اپنے نفسوں میں بھی نجاستِ شرک بڑھالی۔ اور یَصُدُّونَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (وہ لوگ خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں) کے مصداق بن گئے۔ اس لئے کہ اہلبیت ہی تو سبیل اللہ ہیں۔ اپنے نفس کو بھی حصولِ تزکیہ سے روکا اور دوسروں کو بھی۔ گویا اپنے مقصدِ ذبحِ عظیم پر کلہاڑا چلا کر عذابِ خدا خرید لیا۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ شعر و شاعری لحن و ترنم اور سمع اور مضمون نگاری نکات آفرینی شیریں بیانی لطیفہ گوئی میں جو حظِ نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کام میں نہیں ہوتا۔ شعر سے تو بعض اوقات اتنا حظ حاصل ہوتا ہے کہ موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں نفس کیلئے باعثِ حظِ عظیم ہیں۔ رونا ان سب کے علاوہ رونے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ مستزاد ہے۔ یہیں پر حد نہیں بلکہ تمہارے مذہبؑ کی ادائے رسم کچھ اور بھی حظ و سرور بڑھانے کا سبب ہے۔ لہذا ہم نے مجالس عزا کو ذہنی عیاش خانہ بنا رکھا ہے جو بدعملیوں سے زیادہ مضر ہے۔ اس لئے انسان بد عمل کا فاعل برا سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کو شعور ہوتا ہے۔ لہذا کوئی مصیبت پڑ جانے پر ان سے بچ جانا ممکن ہے مگر ذہنی عیاشی سے جو بہترین عبادت سمجھ کر کی جا رہی ہو نکلنا اور محفوظ ہو جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اب تو واضح ہو گیا کہ مجالس عزا کو مقصد ذبح عظیم کے خلاف باعث تسکین جذبات و ازدیاد محرک بنا لیا گیا ہے۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ یزید نے جو امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا اس سے تو حسین اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے مگر آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اسکا نتیجہ حسین کی قربانیوں کو ذبح کرنا ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ عذاب خدا کے نزدیک اور رحمت ایزدی سے دور ہو جاتے ہیں اور دیکھئے کہ لاشعوری کے سبب اس نفس پرستی کے رونے کو جس سے بطور رد عمل کیف و سرور حاصل ہوتا ہے مآل مجلس سمجھ لیا۔ لہذا ہر وہ تدبیر اختیار کرنی شروع کر دی جس سے خوب رویا اور رلایا جا سکے ۔

نفس کے جذبہ ہمدردی کو اسی وقت ٹھیس لگتی ہے۔ کہ جب خود اسکے جذبات کی تصویر سامنے آتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ بڈھے کو بڈھے سے جوان کو جوان سے بچہ کو بچے سے عورت کو عورت سے اوروں کی نسبت زیادہ ہمدردی ہوتی ہے پس اگر ایک شخص جسکا جوان فرزند مر گیا ہو۔ نہایت اطمینان اور سکون سے بیٹھا ہو اسکے چہرہ پر ذرا بھی حزن و ملال کے آثار نہ ہوں۔ اسکو دیکھ کر ہمارے جذبۂ ہمدردی کی لہر بہت خفیف اٹھتی ہے! اور ہمارے دل پر بہت ہلکا اثر ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر اس پسر مردہ شخص کو ہم یہ دیکھیں کہ زار و قطار رو رہا ہے۔ سر پیٹ رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔ بین کر رہا ہے کہہ رہا ہے۔ اے میری آنکھوں کے تارے۔ ہائے میری ضعیفی کے سہارے ارے تو کہاں چلا گیا۔ بیٹا۔ پیارے بیٹا۔ کیا تم بوڑھے باپ سے ناراض ہو گئے۔ پیارے بیٹا مجھ سے کیا قصور ہو گیا تھا۔ ہائے۔ ہائے۔ ارے لوگو دوڑو۔ ارے کوئی خدا کے واسطے میرے بیٹے کو بلا دو۔ وہ روٹھ گیا ہے۔ منا دو۔ ارے کوئی نہیں آتا۔ ہائے کسی کا دل نہیں پسیجتا۔ ارے میں آپ ہی جاؤں۔ اپنے لعل کو ڈھونڈ کے لاؤں۔ اپنے موتی کو مناؤں۔ ہائے

جاتا ۔ ارے تو کہاں چلا گیا ۔ کاش تم نے دنیا کی کچھ بھی بہار نہ دیکھی وغیرہ وغیرہ ۔ تو ہم پر
اسکے دیکھنے ہی اثر ہوتا ہے ۔ ہمدردی کی شدید لہر اٹھتی ہے ۔ دل متاثر ہو جاتا ہے
یہی سبب ہے کہ جب کربلا والوں کے جذبات عالیہ کی تصاویر لوگوں کے سامنے پیش ۔
کی گئیں ۔ تو وہ رو نہ سکے ۔ اور متاثر نہ ہوئے ۔ اور ہو بھی نہیں سکتے تھے ۔ اس لئے کہ
اس کیفیت کا تصور تو نفس کر ہی نہیں سکتا کہ جوں جوں حسین کے انصار
بھانجے بھتیجے بھائی بیٹے قتل ہوتے رہے ۔ سرور بڑھتا رہا ۔ چہرہ پر سرخی دوڑتی
گئی ۔ جناب زینب علیا وقت شہادت حسین ٹیلہ زینبیہ پر کھڑی ہوئی ہیں پیارا
بھائی تو ذبح ہو رہا ہے ۔ اور بہن دربار ایزدی میں دعا کر رہی ہے خداوندا ہماری
اس قربانی کو قبول فرما ۔ ان بزرگواروں کا کیا ذکر ہو سکتا ہے جنکے بچوں کی یہ حالت ہو
کہ ایک چار سالہ لڑکی کے سامنے اسکے پیارے باپ کا سر نوک نیزہ پر نصب ہو ۔
کان کی لو بندے چھین جانے سے زخمی ہو گئی ہو ۔ رخساروں پر طمانچے لگائے جا رہے
ہوں ۔ اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ آتا ہو ۔

ضرورت تو یہ تھی کہ اپنے نفسوں کو اس کا شعور دلاتے کہ حسینؑ ہمکو ایسا
بنانا چاہتا ہے ۔ کہ ہم دنیاوی مصائب و آلام سے سرور حاصل کرنے لگیں حسین
کا حق تو ہم پر یہ تھا ۔ کہ ہم دنیا کو یہ دکھلاتے ۔ کہ آل رسول اور انکے محب ایسے تھے
جو ہر وقت مصیبت و بلا کے طالب رہتے تھے ۔ مگر ہم نے یہ حق دوستی ادا کیا کہ
اسکے خلاف اظہار کیا جسکا سبب یہ ہے ۔ ہمنے عزائے حسین کا مقصد اس حظ
و سرور کے حصول کو سمجھ لیا ۔ جو رونے سے حاصل ہوتا ہے ۔ لہذا یقین کر لیا ۔ کہ
کثرت بکا ہی مآل مجلس ہے ۔ اور چونکہ ہمارے نفوس نجاست شرک کے سبب
قلوب مطمئنہ کی کیفیات کا تصور کر ہی نہ سکتے تھے ۔ لہذا متاثر ہونا بھی ممکن نہ تھا
پھر گریہ کیسے کر سکتے ۔ اسلئے ضروری تھا ۔ کہ حصول حظ و سرور اور نفس پرستی کیلئے

ان ذوات قدسیہ اور نفوس مطمئنہ کے جذبات عالیہ کی مصوری کے بجائے اپنے
ذلیل و رکیک جذبات کا مرقع پیش کر کے رونے رلانے کے مزے اڑالیا کریں۔
اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہم نے دنیا پہ ظاہر کیا کہ وہ حضرات بھی معاذ اللہ ہم جیسے
دنیا کے کتوں سے مشابہت رکھتے تھے۔ ہم بھی اپنے بھائی کے غم میں مضطرب
اور بیچین ہو جاتے ہیں حسین بھی بھائی کو رخصت کرتے وقت مضطرب تھے
روتے پیٹتے تھے کمر پکڑے پکڑے بین کرتے ہوئے بھائی کے پیچھے پیچھے لئے
بھائی ہائے بھائی کہتے ہوئے چلے جارہے تھے۔ اور نواسی رسول تو وقت شہادت حسین
ایسی بیچین ہوئیں کہ سر و پا کا بھی ہوش نہ رہا ننگے سر میدان کربلا میں فریاد کرتی
پھرتی تھیں۔ کبھی بابا شیر خدا کو بھائی کی مدد کیلئے پکارتیں۔ کبھی ابن سعد کے
سامنے دوزانو ہو کر گڑگڑاتی تھیں۔ کہ کسی طرح میرا ماں جایا ذبح ہونے سے بچ
جائے۔ کبھی شیعان یمن سے استغاثہ کرتیں۔ کہ اے شیعو دوڑو کسی طرح میرے
ماں جائے کو ذبح ہونے سے بچالو۔ افسوس ہے کہ ہم نے بغرض حصول حظ و سرور
آل رسول کی تذلیل و توہین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔
خیال تو کرو۔ کوئی بھی بہن ایسی ذلیل نہ ہو گی۔ جو اپنے ایک بھائی کے
کسی مقصد عالیہ کیلئے جان دینے پر ایسی بیقرار ہو۔ سنا تم نے دوستی کے پردہ میں
حسین سے دشمنی کرنیوالو! حسینی مشن کو تباہ و برباد کرنیوالو! اسے کسی قاتل نے
بھی حسین کی یا اہل حرم کی علو ہمتی، صبر و سکون مصائب پر مطمئن رہنے سے انکار
نہیں کیا۔ اور انکے اخلاق عالیہ کو ذلیل و خوار کر کے ذبح نہیں کیا۔ اور تم انکے
مقصد کو کھٹل چھری سے ذبح کر رہے ہو اسے بے شعور شمر نے حسین کو ایک مرتبہ
ذبح کیا تم ہر سال ہر روز کھٹل چھری سے قربانی حسین کو ذبح کر کے حظ نفس اور سرور
حاصل کرتے ہو خبر بھی ہے کہ تم مزہ اڑانے کیلئے حسین کا خون بہا رہے ہو مثل

مشہور ہے کہ دشمن دانا بہ از دوست ناداں۔ یہ دوستی کے پردے میں دشمنی نہیں
تو اور کیا ہے۔

قربانی حسین کے بے شعور قاتلو ہوش میں آؤ حسین کی صحیح تصویر دنیا کے
سامنے پیش کرو اور خود بھی اس پر غور کرو۔ اور حسین سے لو لگاؤ تاکہ وہ تمکو بھی اپنا
جیسا بنا لے۔ امام زین العابدین کی دعائے سحر جو رمضان المبارک میں پڑھتے ہو
جسکا مطلب پہلے سنا چکا ہوں اسی مضمون پر مشتمل ہے دیکھو یہی بات تم سے ہر
سال رمضان میں کہلوا لیتے ہیں کہ خدایا ہمکو بلا و مصیبت پر خوش رہنے کی
توفیق عطا فرما۔ ارے دل کے اندھو تم یہ بکتے بیٹھے ہو۔ ہم ایسے کس طرح بن سکتے
ہیں کہ تکلیف و مصیبت سے خوش ہونے لگیں۔ ارے لاشعورو اگر تم ایسے نہیں بن
سکتے تو امام نے یہ دعا کرنی کیوں سکھائی ہے۔ کیا معصوم نے نعوذ باللہ یہ فعل عبث
کیا ہے۔

عزادار۔ بھائی صاحب۔ آپ نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ اب ہم تو مجلس وجلس میں
جائیں گے نہیں۔ آپ نے ہماری نجات کے تو سارے راستے مسدود کر دیئے۔

عارف۔ ہیں۔ یہ کیا فاسد خیالات پیدا ہو گئے۔ قرآن تو کہتا ہے لَا تَقْنَطُوا
مِن رَّحْمَةِ اللهِ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) آپ یہ نہیں جانتے کہ خدا کو اپنی
مخلوق کتنی پیاری ہے۔ ایک شخص جو عمر بھر گناہ کرے اور سخت سے سخت گناہ
میں مبتلا رہا ہو۔ مگر مرنے سے پہلے اس کے قلب میں اضطراری توجہ پیدا ہو گئی
قلب لرز اٹھا توجہ اتنی کامل ہو گئی۔ جو خدا کو محبوب ہے۔ تو سارے گناہوں سے پاک
ہو گیا۔ وہ قیامت سے پہلے پہلے تزکیہ حاصل کرے گا۔ مولائے مومنین فرماتا ہے
اَلْمَرْءُ یَمُوتُ عَلیٰ مَا عَاشَ وَیُحْشَرُ عَلیٰ مَا مَاتَ (آدمی اسی پر مرتا ہے
جس پر زندہ رہا اور محشور اس پر ہوگا جس پر مرے گا) اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر

رخ پہلے مرکز صحیح کیطرف توجہ ہو گئی۔ اور اس منزل کمال کو پہنچ گئی جس سے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی پر گیا۔ تو عذاب سے مامون ہو جائیگا۔ اسی لئے حکم ہے کہ رحمت خدا سے کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ اور اہلبیت کے ماننے والوں کیلئے تو بہت زیادہ سہولت ہے اسلئے کہ انکا مرکز توجہ بالکل صحیح ہے۔ وہی تو رحمت خدا ہیں۔ اگر شعور پیدا ہو جائے تو نور محبت سے قلوب منور ہو جائیں ۔

پس جس طرح مجالس میں اب تک جاتے تھے جلوسوں میں شریک ہوتے تھے اسی طرح اب بھی شرکت کریں۔ صرف نیت یہ ہو کہ ذکر حسین سے اثر قبول کریں وہ پہلا خیال چھوڑ دیں کہ صرف رونا ہی مآل مجلس ہے۔ کسی شخص کو کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ وہ اعمال خیر بجالاتا ہے۔ لہذا مستحق نجات ہے۔ اسلئے کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کریگا۔ تو زمین پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ہی تو کریگا۔ وہ کس کی ملک ہے۔ اعضا وجوارح سے انجام دیگا۔ وہ کس کی ملک ہیں۔ توجہ قلب سے کریگا۔ وہ کسکا ہے پھر بغیر توفیق الٰہیہ کوئی عمل خیر سرزد ہو نہیں سکتا۔ اب جب سب کچھ اسکا اور محرک بھی اسی کی توفیق پھر اسکا معاوضہ کیا مانگتا ہے۔ اور جاہل انسان تو ہوا میں ایک سانس لینے کی بھی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس کار خیر کے بجالانے میں جتنے سانس تونے لئے ہیں۔ پہلے انکا معاوضہ تو ادا کر دے۔ اعضا وجوارح کے استعمال کا معاوضہ بعد کو دیکھا جائیگا ۔

اب بھی آپ سمجھے کہ شدید ترین گناہوں میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی رحمت خدا سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اور اعلیٰ ترین اعمال حسنہ بجالاتے ہوئے انکے معاوضہ کا اپنے آپکو مستحق نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہر دو حالت میں نجات کی امید کا سبب محض اسکی رحمت کو سمجھنا چاہئے جس کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ رحمت خدا یعنی آل محمدؐ کو مخلوق بہت پیاری ہے۔ وہ ہر وقت اپنی طرف کھینچنے کا بہانہ ڈھونڈتے

ہوتا ہیں۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (یعنی وہ اپنی طرف بلا لیتا ہے۔ ہر اس شخص کو جو بھی رغبت کرے)

حسین مجسمۂ رحمت ہے حسین مکمل رحمت ہے حسین کے در سے کوئی محروم نہیں جا سکتا اور جہاں انسان تو ما یوس کیوں ہوتا ہے۔ تو حسین سے لو لگا کے تو دیکھ۔ تو حسین سے خود مانگ۔ تو سہی تو بارگاہِ حسینی میں فریاد تو کر کہ حسین مجھے خواہشات و جذبات کا لشکر گھیرے ہوئے ہے تو میری مدد کر۔ دیکھ تو سہی پھر حسین دستگیری کرتا ہے یا نہیں حسین شرک سے نکالتا ہے یا نہیں حسین تجھے اللہ سے ملا دیتا ہے یا نہیں جب کوئی مانگے ہی نہیں۔ تو ملے کیسے آج تک تو کوئی سائل اس دروازہ سے محروم پھرا نہیں۔ پھر تیرا مایوس ہونا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

کیوں بھائی کچھ شعور ہوا۔ کہ کفر میں ہم مبتلا۔ شرک میں ہم غرق۔ نفاق میں ہم مستغرق۔ اہلبیت سے تبرا کرتے ہوئے اسکے دشمنوں سے تولا کر رہے ہیں۔ اور حظِ نفس حاصل کرنے کیلئے اغیار پر لعنت کر کے حبِ باطنی ادا کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے لاشعوری میں اپنے کو محب صادق۔ مومن کامل اور جنت کا مالک سمجھے ہوئے ہیں۔

ابھی وقت ہے اب بھی ہوش میں آجائیں۔ اور موت سے پہلے حسین سے لو لگائیں اور اس سے تڑپ تڑپ کر التجا کریں۔ گڑگڑا کر دعا کریں۔ کہ ہمکو اس مصیبت و بلا سے اور ایسے شدید دشمن کے نرغہ سے نکال دے۔ وہ مشکلکشا کا فرزند اور خود مشکلکشائے زمانہ ہے ضرور وہ ہماری مدد کریگا۔ اور ہمکو نفس اور شیطان کی غلامی سے نکالکر اپنا غلام بنائیگا اور اپنی حفظ و امان میں لے لیگا۔ اپنے دامن میں چھپا لیگا۔

اور اگر کچھ نہ کیا۔ تو سمجھ رکھیں۔ کہ عذاب خدا سروں پر آگیا ہے۔ فسادِ عظیم دنیا میں برپا ہو رہا ہے۔ ہلاکت و تباہی نزدیک ہے اگر اس بلا سے جان بھی بچ گئی۔ تو حسین کے خون کا وارث جلد آنیوالا ہے۔ وہ خود ہی محاسبہ کریگا۔ کیوں رے بے ایمانو! ہائے دشمنو! خونِ حسین کو ضائع کرنیوالو حسین کی قربانیکو ذبح کر کے مزے اڑانیوالو یہ تم نے ہم پر کیسے کیسے ظلم

کئے جو دشمنوں کے ہاتھوں نے بھی ہمکو نہ پہنچے تھے۔ العیاذ باللہ خدا ہمکو اس دن سے بچائے اور اس سے قبل ہی نور محبت آل رسول حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عزادار۔ اچھا جناب اب یہ بتلائیے۔ کہ مجالس میں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

عارف۔ بجائی مراسم تعزیہ داری مثلاً تعزیہ کا جلوس۔ علموں کا جلوس۔ ذوالجناح کا جلوس۔ غرضیکہ جتنے ماتمی جلوس شارع عام پر نکالے جاتے ہیں۔ انکے رواسم میں کوئی تبدیلی نہیں کیجا سکتی۔ سوائے اسکے۔ اپنے کو تصویر درد بنا کر پیش کریں۔

مگر مجالس جو گھروں کے اندر ہوتی ہیں۔ انمیں یہ بات ابر بھا دینی چاہیئے۔ کہ لوگوں کو توحید کا سبق دیا جائے۔ کہ اللہ کیطرف بلایا جائے۔ لوگوں کو یہ بتلایا جائے کہ حسین نے جو اپنے ننھے ننھے بچے قربان کئے ہیں۔ اسکا مقصد یہ ہے۔ کہ ہمارے نفسوں کی اصلاح ہو۔ خواہشات و جذبات مغلوب ہو جاویں۔ حظ نفس منقطع ہو جائے۔ تاکہ لا الہ عملی طور پر کہہ سکیں۔

لوگوں کو یہ سنانا اور بتلانا چاہیئے۔ کہ دنیا اور زینت دنیا کی محبت سے چھڑانے کیلئے مال و دولت نام و نمود عزت و شہرت کی خواہشات کی محبت سے بچانے کیلئے عورتوں کی اور اولاد کی خواہش کی محبت شہوانی سے نجات دلانے کیلئے حسین نے اپنا گھر بار نوجوان بچے یار و انصار حتی کہ شیر خوار بچے تک قربان کر دیئے۔ اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے سر کی چادریں۔ انکا پردہ سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی عورتوں اور بچوں کا قید ہو کر بازاروں میں تشہیر کیا جانا سر برہنہ رسن بستہ ترک و دیلم کی بندیوں کی طرح درباروں میں پیش کیا جانا۔ صرف گوارا ہی نہیں بلکہ اختیار کیا۔ یہ ساری قربانیاں حسین مظلوم نے ہماری اصلاح نفس کیلئے پیش کی ہیں۔ تاکہ ہمارے نفوس نجاست شرک سے نکلکر نور ایمان حاصل کرنے کی قابل ہو جائیں۔

خیال تو کرو کیا ایسے بڑے محسن کا ہم پر اتنا بھی حق نہیں۔ کہ ہم اپنے شہوات و جذبات کی قربانی بارگاہ حسینی میں پیش کر دیں۔ مشکل تو یہ ہے۔ کہ حسین کا حق پہچانیں

تاکہ نیکی خواہش بھی پیدا ہو۔ اور جب اسکا شعور ہی نہ ہو تو خواہش کیوں ہو۔ یہی سبب ہے کہ جو لوگ بغیر اسکے کہ انہوں نے حسین کا حق پہچانا ہو زیارات کو جاتے ہیں۔ وہ وہاں سے کچھ بھی لیکر نہیں آتے۔ اجر و ثواب نہیں پاتے۔ وہ بیچارے حسین کی محبت نفسانی کے جوش میں تکلیفیں اُٹھاتے ہیں مصعوبات سفر برداشت کرتے ہیں۔ اپنی گاڑھی کمائی سے زر کثیر خرچ کرتے ہیں۔ قبر حسین کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ مگر نتیجہ میں یہ سزا پاتے ہیں۔ کہ ایمان قبر حسین سے لپٹ کر رہ جاتا ہے۔ وہاں سے اور زیادہ شقی القلب بنکر آتے ہیں۔ خواہشات و جذبات کی شدت اور جوش بڑھا کر لاتے ہیں یہ سب کچھ اس جرم کی سزا ہوتی ہے۔ کہ معصوم نے تو فرمایا تھا مَنْ زَارَ قَبْرَ الْحُسَيْن عَارِفاً بِحَقِّهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّة (جو شخص قبر حسین کی زیارت کرے حسین کا حق پہچانتے ہوئے اس پر جنت واجب ہو گئی) پھر جو شخص معصوم کے قول کو خدا کا قول سمجھتے ہوئے حق حسین کی معرفت حاصل نہ کرے۔ اور اتنی بڑی نافرمانی۔ اور ایسی گستاخی کرے کہ حسین جیسی مقدس ہستی کی بارگاہ میں جو دربار قدس ہے۔ جب و نجاست شرک لیکر جائے اور اس دربار کی طہارت کا مطلق خیال نہ کرے۔ اس پر جنت کی بجائے جہنم کیوں نہ واجب ہو جائے جسکی علامت و نشانی ساری دنیا دیکھ لیتی ہے۔ کہ وہاں سے لوٹ کر اکثر زائرین کے نفوس خبیث تر ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اگر اب بھی حسین کا حق پہچان لیں۔ تو یقیناً پھر جنت واجب ہو جائے۔ اور کسی زیارت لاشعوری کا ایسا ہی ثواب مل جائے۔ جیسا کہ حق پہچان کر زیارت کرنے سے ملتا ہے۔

مقاصد عزا سمجھ لینے کے بعد ہر شخص پر لازم ہو جائیگا۔ کہ حسین کی ساری مجلسوں کو ایک جلسہ سمجھے یہ نہیں کہ ایک مجلس کو دوسری پر بسبب تعلقات دنیاوی یا خوش گلو و خوش بیان ذاکروں کی بنا پر ترجیح دے بلکہ مقصد حسینی نسبت ترجیح ہو۔ جب مجلس میں جا کر بیٹھے۔ تو خواہ ذاکری شروع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ مودب بیٹھے۔ خاموش بیٹھے

خبث ولا طائل گفتگو میں مشغول نہ ہو۔ چہرہ پر حزن و ملال کے آثار پیدا کر کے طاری کرے تاکہ
نفس پر بھی آثار غم وارد ہو جاویں۔ جو دیکھنے والا اسکو دیکھیگا۔ اسکے نفس پر اسکا اثر
ہو جائیگا۔ رونے کو مقصد نہ سمجھے۔ بلکہ بے اختیاری سے جب رقت طاری ہو۔ تب
روئے۔ شعر و شاعری، راگ راگنی، نکات آفرینی کیطرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ ان چیزوں سے
سے اغیار کو محظوظ ہونے دے۔ جب فضائل اہلبیت سنے، فوراً یہ خیال نفس پر وارد
کرے۔ اور اس سے یہ کہے۔ کہ اے نفس خبیث تیری اصلاح و درستی کیلئے خدا نے
اپنی رحمت کو مجسم بنا کر بھیجا۔ ایسے جلیل القدر مولا اور عظیم الشان آقا کو تیری دستگیری
کیلئے بھیجا۔ مگر تو ایسا خبیث ہے۔ کہ ان کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتا۔ کبھی استدعا
نہیں کرتا۔ کہ اے مولا میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستہ پر چلا۔ اے نفس خبیث خدا نے
اپنی صفات کے مظہر کو تیری رہنمائی کیلئے مبعوث کیا۔ اور تو اسکے پیچھے نہیں چلتا۔ کبھی
اس امر کا خواستگار نہیں ہوتا۔ کہ کسی طرح اسکا دامن ہاتھ آ جائے۔ تاکہ بیڑا پار ہو
اور جب مصائب سنے تو عوام الناس کے جذبات کی تصویر یعنی جب مولا نے یا مولا کے انصار کے
جذبات کی مرقع کشی کیجاوے۔ تو اسکو جھوٹ سمجھے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے اور
عوام جہال کو اس پر رونے دے۔ زبان ہرگز نہ کھولے۔ اور جب اپنے آقاؤں کے
جذبات عالیہ کا مرقع پیش کیا جاوے۔ تو خوب غور سے سنے اور آقا کیطرف توجہ کر کے
عرض کرے کہ اے جلیل القدر آقا اس خبیث النفس کو بھی اپنی
غلامی میں لیلے اسکے نفس پر بھی اپنے دامن کا سایہ ڈالدے۔ خدا کیواسطے اپنے کمالات
میں سے اس ذلیل غلام کو بھی حصہ عطا فرماوے۔ اور آقا کی طرف توجہ کر کے عرض کرے۔
اے رسول کے پیارے علی کی آنکھوں کے تارے۔ فاطمہ کے راج دلارے تو ہمارے تزکیہ
کیلئے ایسی مصیبتیں اٹھائے اور افسوس کہ ہم اپنے نفس کو پاک نہ کریں۔ مولا تو میری خاطر زخمی
ہوا۔ میری اصلاح کے لئے سر کٹایا۔ میری اصلاح کے لئے گھر بار لٹایا۔ میرے پیارے مولا

مجھ سے تجھے کیسی محبت تھی ۔

اپنی مجلسوں میں ہر قوم و مذہب کے آدمیوں کو دعوت دیکر بلائیں ، بعزت و احترام سے بٹھائیں ۔ اگر وہ کوئی زیادتی کریں یا مضحکہ اڑائیں تو انسے درگذر کریں ۔ نہایت اخلاق سے پیش آئیں ، انکو حسین کا مہمان سمجھیں ، کسی کے مذہبی پیشوا کو اشارتاً یا کنایتاً بھی برا نہ کہیں ، بلکہ جب ضرورتاً انکے نام لیں ، تو نہایت عزت و احترام سے ۔ کسی کے مذہب پر حملہ نہ کریں ۔ اغیار کے سامنے نام نہاد طبیعت جو کفر و شرک و نفاق سے پیش نہ کریں ، بلکہ توحید ائمہ تزکیہ نفس ، نفس کشی کیطرف دعوت دیں اور حسین اور انکے ساتھیوں کے اخلاق عالیہ رواداری جود و کرم فیضان رحمت صبر و سکون اطمینان قلب وغیرہ کی مثالیں فرزند رسول کہکر پیش کی جائیں ، پھر دیکھیں کہ تھوڑے عرصہ میں ہی دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہوتا ہے یا نہیں ۔ اور روحانیت کا آفتاب سمائے عالم پر چمک کر مادیت کے بُت کو جلا کر خاک کر دیتا ہے یا نہیں لا الہ الا اللہ کا جھنڈا دنیا پر لہراتا ہے یا نہیں ۔

اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا ۔ کہ اس مجلس کی کیا قدر و منزلت ہے ۔ یہ کیسا عظیم الشان دربار ہے جسمیں پنجتن پاک تشریف لاتے ہیں ۔ افسوس ہے کہ اسکو جانتے ہوئے بھی اہل مجلس کی کیا حالت ہوتی ہے ۔ کیا کسی قلب پر بھی ان جلیل القدر ہستیوں کی موجودگی کا اثر ہوتا ہے ۔ نہیں ہرگز نہیں ، اسکو تو فقط رونے کا حظ حاصل کرنے کیلئے منعقد ہیں ۔ اگر یہ سمجھتے کہ یہ شہنشاہ کونین کا دربار ہے ۔ تو اسکا احترام بھی ملحوظ خاطر ہوتا تنظیم ہوتی ۔ بھیڑ بکریوں کے گلے کیطرح غیر منظم طریقہ پر نہ بیٹھتے چاہئے تو یہ کہ مجلس میں نہایت اعلے تنظیم ہو ۔ اختتام مجلس پر بھیڑوں کی طرح منتشر نہ ہوں ، بلکہ تنظیم سے اٹھکر جائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ چوپاؤں کا گلہ نہ تھا ۔ یا کلون کما تاکل الانعام کا مجمع نہ تھا ۔ بلکہ پیروان اہلبیت کی مجلس تھی جیسا کہ

لہ چوپاؤں کیطرح کھانے پینے والے ۔

خود وہ حضرات فرما گئے ہیں۔ کونوا النا زیناً ولا تکونوا لنا شیناً (تم ہمارے لئے سبب زینت ہو۔ اور ہمارے نام پر دھبہ نہ ہو جاؤ)۔ دیکھو اب بھی آپ سمجھے اپنے نفس کی اصلاح نہ کر کے ہم اہلبیت پر دھبہ لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمکو اپنے نفسوں کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے! اور حضرت حسینی شامل حال ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ جیسا کہ سنت اللہ جاری ہے۔ کہ جب کوئی منعم کسی کو اپنی اعلیٰ نعمت اسلئے دیتا ہے۔ کہ وہ اسکو استعمال کر کے فائدہ اٹھائے اور لینے والا صحیح استعمال کرنے کی بجائے اسکو خراب کرتا ہے۔ اپنے نفس کیلئے نقصان پہنچاتا ہے۔ تو نعمت کا عطا کرنے والا اس کم عقل ناقدر شناس سے اپنی نعمت کو سلب فرمالیگا جیسا کہ ابتدائے عالم سے سنت اللہ جاری رہی ہے ÷

سمجھے آپ؟ غور کیا کہ سنت اللہ یہی ہے جب اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کیجاتی تو وہ سلب ہو جاتی ہے۔ آل رسولؐ سب سے بڑی نعمت خدا ہے۔ یہ ہمکو اس لئے دی گئی ہے۔ کہ اسکے ذریعہ پہلے ہم اپنے نفوس کو نجاست شرک سے پاک کریں۔ اور پھر دیگر اہل عالم کی طہارت کریں۔ اور بجائے اس کے ہم اسکو خراب کرنے لگیں اور ذریعہ حصول حظ نفس بنالیں۔ تو کیا یہ نعمت ہم سے سلب نہ کر لی جائیگی۔ یہی سبب ہے کہ ایران میں پہلے تو جناب رب العزت نے لاشعور شیعوں سے اپنی نعمت سلب کرنے کے لئے محمد علی باب اور بہاء اللہ کو کھڑا کر دیا جس سے بیشمار آبادی گمراہ ہو گئی۔ اور جب اس پر بھی باقیوں کو شعور نہ ہوا۔ اور توبہ نہ کی۔ تو اس نے رضا شاہ پہلوی کو ان پر مسلط کر دیا۔ تاکہ یہ نعمت ان سے سلب کر لیجائے •

اب بھی ہوش میں آؤ۔ اور توبہ کرو حسینین سے لو لگاؤ حسینین کی محبت کو ذریعہ بنا قساد شرک و کفر و نفاق سے طہارت کا آلہ۔ ورنہ ضروری ہے۔ کہ جناب رب العزت اپنی سنت کے مطابق تم پر بھی ایسے حالات وارد کرنے

جو اس نعمت عظمیٰ کے سلب کا باعث ہو جائیں پھر تم اپنے رسم مذہبی ادا کرنا تو کجا
حسین کا نام بھی زبان پر نہ لاسکو۔ جب تم اس کی نعمت کی قدر کرنے کی
بجائے اس کو برباد کر رہے ہو۔ تو کیا سبب ہے۔ وہ تم سے چھین نہ لی جائے
اب مجھ کو جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا۔ اور آپ سب کچھ سن چکے وما علینا الا البلاغ ۔
آؤ اب اپنی حالت زار پر خون کے آنسو بہالیں۔ اور بصد آہ و زاری بہ ہزار نالہ و
بیقراری بارگاہِ حسینی میں اس طرح فریاد و استغاثہ بلند کریں ۔
مولیٰ حسین، اے مظلوم حسین، اے غریب الدیار حسین، اے بے یار و انصار حسین،
اے فنا فی اللہ حسین اے باقی باللہ حسین۔ اے مع اللہ حسین، اے اُذن اللہ حسین، اے ید اللہ
حسین، اے جنب اللہ حسین، اے نفس اللہ حسین، اے وجہ اللہ حسین، اے خلیفۃ
اللہ حسین، اے حجت اللہ حسین۔ اے ولی امر اللہ حسین، اے رحمت اللہ حسین۔
ہم نہایت شرمسار ہیں۔ ہم تیرے بڑے گنہگار ہیں۔ مولے تیری قربانی کے ذریعہ سے جو
خط و سرہ ہم نے لاشعوری میں حاصل کر کے تیرے مقصدِ قربانی کو نقصان پہنچایا۔ اسکو
معاف کر دے، مولے حسین۔ اے اللہ کے پیارے حسین، اے رسول کے پیارے حسین
اے علی کی آنکھوں کے تارے حسین، بی بی فاطمہ کے راج دلارے حسین۔ اے مولی و آقا
ہمارے حسین۔ افسوس کہ ہمیں پتہ نہ تھا۔ ہم لاشعوری میں تجھے ستاتے رہے، تیرے دل
کے زخم بڑھاتے رہے۔ تیرے صدا فدار کلیجہ کو برماتے رہے، تیری مفروضہ محبت کے جوش
میں خوب خرچ کر کے ذاکر و واعظ بلاتے رہے شعر و شاعری مضمون نگاری کا لطف
اٹھاتے رہے، تیری مجلسوں کو ذہنی عیاش خانہ بناتے رہے، تیرے فرضی غم سے مزے
اٹھاتے رہے۔ تیری عزا سے لطف اٹھاتے رہے۔ اور نجاست شرک بڑھاتے رہے۔
افسوس صد ہزار افسوس مولیٰ ہمیں شعور نہ تھا۔ یہ تو آج معلوم ہوا ہے۔ آج شرم سے
گردن جھکائے تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ مولے پیارے مولی، تیرے باعث ایجاد

عالم نانا کی قسم، تیرے حاکم یوم الدین بابا کی قسم، تیری بیتیہ عالم مائی کی قسم
تیرے سردارِ جنت بھائی کی قسم، تیرے سرِ بریدہ کی قسم۔ تیرے قلبِ مجروح کی قسم
تیرے داغدار کلیجہ کی قسم، تیرے پیاس سے سوکھے ہونٹوں کی قسم، ہم سے تو جو کچھ ہوا
لاشعوری میں ہوا اب تجھے اپنے پیارے اللہ کا واسطہ ہمیں معاف کر دے، ہمارے گناہ
بخش دے، مولے بچہ بھی تو اپنی ماں کے پستانمیں سر مار دیا کرتا ہے، وہ تو خفا نہیں
ہوتی، بچہ سے رنجیدہ نہیں ہوتی بلکہ پھر بھی اسکو پیار کیا کرتی ہے۔ مولے پیارے مولیٰ
تو ہم سے ناراض تو نہیں ہو گیا۔ اور تو کیوں ناراض ہونے لگا، تو تو ہم پر ماں باپ
سے کہیں زیادہ مہربان ہے، مولیٰ معاف کر دے، کیوں پیارے مولے تو نے معاف
کر دیا۔ ہاں اور سوائے معاف کرنیکے تو کرے گا ہی کیا۔ تو تو اپنے قاتلوں پر بھی مہربان
رہا۔ جنہوں نے دانستہ ظلم کئے۔ اور ہم نے تو جو کچھ کیا لاشعوری میں کیا۔ نادانی میں کیا پھر ہمکو
تو کیسے معاف نہ کریگا۔ تو تو رحمت کا دروازہ ہے۔ لطف و کرم کا دلدادہ ہے۔ بذل واحسان
تیری فطرت ہے۔ تو مجسم اللہ کی رحمت ہے۔ آجتک کوئی سائل تیرے در سے محروم نہیں
گیا۔ اے رحمتہ للعالمین کے فرزند پھر ہمیں تو کیسے مایوس لوٹا سکتا ہے، ہمارے حال پر رحم
کر، ہماری خطاؤں سے درگزر کر ہمارے گناہ بخش دے، ہماری فریاد سن لے۔

مولے ہم تو بالکل لاشعوری میں تھے کچھ بھی اپنی خبر نہ تھی۔ خواب غفلت میں
بیخبر سوتے جارہے تھے۔ اب جاگے تو محسوس ہوا کہ ہم کیسی بلاؤں میں گھرے
ہوئے ہیں۔ ہمارے دونوں ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے ہیں۔ دو لڑی کی رسی
سے ایک لڑ رسم و رواج دنیا دوسری رسم و رواج مذہبی کی ہے۔ توڑنے کیلئے جتنا
زور کرتے ہیں، کلائیاں اتنی ہی زخمی ہوتی ہیں۔ گردن میں عورتوں کی خواہش کی
محبت کا خاردار طوق ہے۔ آنکھوں پر "میرے مذہب" کے جذبہ کی پٹی بندھی ہوئی
ہے پاؤں میں اولاد کی خواہش کی محبت کی بیڑیاں پڑی ہیں۔ کمر میں بڑی

موئی گئی ہاتھوں کی رسی ہے۔ ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقارب ہر ایک کی محبت کی ایک ایک
لٹ ہے اور مویشی اراضی جائداد و باغات میں سے ہر ایک کی خواہش کی محبت کے
ریشے ہیں پیچھے سے نفس کی خواہش بقا کا مہیب دیو گردن میں نیزہ کی دو دھاری
انی چبھو رہا ہے جس کی ایک دھار لذیذ غذا اور عمدہ پوشاک کی خواہش اور دوسری
اسباب آرائش کی خواہش ہے۔ ماں دنیا کی محبت کا گرز مار مار کر زخمی کئے دے رہا ہے ۔

نام و نمود عزت و شہرت اور دنیا میں اچھا سمجھا جانے کی خواہش کے کوڑے پشت
پر مارتا اور حظ و سرور عیش و آرام کی خواہش کے نوکدار تیر ٹانگوں پر لگاتا ہوا خوف غیر اللہ
کی بھیانک اور درشت آواز سے ڈراتا ہوا ہلاکت ابدی کی طرف ہنکائے لئے جا
رہا ہے ۔

اے فریادرس بیکساں میری فریاد سن۔ ان بلاؤں سے نجات دے۔ میرے مولیٰ
تو خدا کا ہاتھ ہے، میرے ہاتھوں کی رسی کو کھول دے، رسم و رواج کے پھندے سے
نکال دے۔ تاکہ دنیا کے کام عقل کی روشنی میں کروں اور مذہبی رواسم فقہیہ صحیح سے
بطور فریضہ ادا کروں۔ مولا حسین تو مشکل کشا کا فرزند خود مشکل کشائے خلق ہے
عورتوں کی خواہش کی محبت کے طوق کو میری گردن سے نکال دے۔ اے مولا تو
حبل اللہ ہے۔ میری کمر سے رسی کھول دے۔ تاکہ ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقارب
کو تیرے بندے سمجھ کر محبت کروں۔ انکی پوری پوری خدمت کروں۔ مویشی اراضی
جائداد و باغات کی محبت کو زائل کر دے۔ اور جو کچھ ان میں سے تو اپنی مرضی سے عطا
کرے۔ انکو تیرا ہی سمجھتا رہا ہوں۔ انکو تیرا سمجھ کے حفاظت کروں۔ تیرا سمجھتے ہوئے
ان میں ترقی کی کوشش کروں۔ میرے مولا تو اللہ کی قوت ہے۔ تو علم ہدایت سے
اس دودھارے نیزہ کو جو میری گردن زخمی کئے دیتا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مزید
کھانے کی خواہش نہ رہے۔ کھاؤں تو زندہ رہنے کیلئے کھاؤں۔ تیرا حکم سمجھ کر بجا لاؤں۔

سادی اور روز و ہضم غذا کھاؤں، عمدہ پوشاک کی خواہش کو مٹا دے، پہنوں تو تن ڈھانکنے کو پہنوں۔ زینت کی خواہش سے نہ پہنوں اسباب آرائش کی خواہش کو فنا کر دے، اور جب کچھ تو اپنی مرضی سے مجھے عطا کرے، تو اس کی حفاظت و نگہداشت کی طاقت بھی ساتھ عطا کر، انکو تیرا سمجھ کر رکھوں۔ انکی حفاظت میں کوتاہی نہ کروں اے میرے مولا تو اللہ کی قدرت ہے، تو اس کی نعمت ہے، مالِ دنیا کی محبت کے گند کو جو میرے سر کے ٹکڑے کئے دیتا ہے، پرزہ پرزہ کیجئے جو کچھ کماؤں حلال سے کماؤں تیرے بندوں کی خدمت کیلئے کماؤں۔ جو کچھ تو مجھے مال عطا فرمائے۔ اسکو اپنا نہ سمجھوں، اسکی تیرا سمجھ کے حفاظت کروں۔ حظِ نفس کیلئے اسراف یا تصرف نہ کرسکوں۔ تیری مرضی کے مطابق تیرے اہل پر صرف کروں، صاحبانِ حاجت کو پہنچاتا رہوں، اپنے تئیں امین اور خزانچی سمجھوں، تیرے خون کو فروخت کر کے تیری قربانی کو بیچ کر اپنے پیٹ میں آتشِ جہنم نہ بھروں۔ اے میرے مولا تو خدا کی عظمت ہے تو خدا کا جلال ہے۔ یہ کون ہے جو میری پیٹھ پر پڑے ہیں۔ انکو نظرِ جلال سے جلا کر خاکستر کر دے۔ نام و نمود کی خواہش کو گمنامی کی خواہش سے دنیاوی عزت و شہرت کی خواہش کو دربارِ ذوالجلال میں حصول عزت کی خواہش سے بدل دے۔ اچھا سمجھا جانے کی خواہش کو اچھا بننے اور اچھا رہنے کی خواہش سے بدل دے۔ اے میرے مولا تو عبدِ کامل ہے۔ تو صبرِ مجسم ہے۔ حظ و سرور و عیش و آرام کی خواہش کو مٹا کر محنت و مشقت کا جذبہ پیدا کر دے۔ میرے دل کو اتنی طاقت عطا فرما۔ کہ محنت و مصیبت کو تکلیف اور کلفت کو خدا کی رحمت جانوں اور عیش و آرام کو خدا کی لعنت سمجھوں اے میرے آقا تو اللہ کی نصرت ہے۔ خوف غیر اللہ کو خشیت اللہ سے بدل دے میرے مولیٰ تو معین اللہ ہے۔ میرے آنکھوں سے میرے مذہب کی محبت کی پٹی جس پر تعصب کا گاڑھا ضماد چڑھا ہوا ہے کھولدے تاکہ تیرے مذہب کو دیکھ سکوں

اور تیرے اس رستہ پر چل سکوں ۔ جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ یا اللہ تو ہی میرا ہاتھ پکڑ کر اس پر چلا اے دونوں جہان کے مالک حسین تو سیف اللہ ہے۔ میرے نفس کی خواہش نفاکے دیو کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بقائے حقیقی کی خواہش عطا کرنے ۔ اور میرے نفس کو اسکا شعور عطا فرما دے ۔ کہ اس کی خواہش بقا تجھ میں فنا ہونے ہی سے پوری ہو سکتی ہے ۔ تاکہ اسکو تجھ میں فنا ہونے کی تڑپ پیدا ہو جائے ۔ اور قربان ہونیکو ہر وقت تیار رہے ۔ اے مددگاروں کے مددگار ۔ اے بے سہاروں کے سہارے ، اے ناامیدوں کی امید گاہ ، اے کمزوروں کے پشت و پناہ میری مدد کر ان بلاؤں سے نجات دے ۔

اے میرے مولے کا اللہ کا واسطہ میرے نفس کو شرک خفی کی نجاست سے پاک کر دے ، ذکر اللہ کا واسطہ میرے دل میں اپنی یاد بھر دے ، کسی وقت بھی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے تجھے نہ بھولوں ، نور اللہ کا واسطہ میرے دلکو نور ایمان سے منور کر دے ۔ تاکہ اس کی روشنی میں علم ما کان و ما یکون جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے ۔ اسکو پڑھ سکوں اور تیری معرفت حاصل کر سکوں ۔ میرے مولے گلوئے علی اصغر کا صدقہ مجھے اتنا شعور تو جلد عطا کر دے ۔ کہ تیری بتلائی ہوئی توحید کو سمجھ سکوں ۔ اور لوگوں کی بگڑی ہوئی وحدانیت سے منہ پھیر لوں ۔ تیرے اور تیرے آبا اور اولاد کے کلام کو قرآن اور فطرت سے مطابق کر سکوں ۔ تاکہ یہ سمجھنے کا اہل ہو جاؤں ۔ کہ یہ معصوم کا قول ہے یا نہیں ، اور اسکا مفہوم اصلی کیا ہے ۔ میرے مولے تو رب فطرت ہے ۔ اس کتاب فطرت کو جو میرے نفس میں ہے ۔ پڑھنے اور سمجھنے کی اہلیت عطا فرما ، تاکہ علوم کسبی سے بے نیاز ہو جاؤں ۔ اور علم الرجال سے مستغنی اے میرے مولے اپنی محبت کے نور سے ایسا شعور پیدا کر دے ۔ کہ اپنے نفس کی معرفت حاصل کر سکوں ۔ تاکہ علم کائنات حاصل ہو جائے ۔ اے مشرکوں اور بت پرستوں

سے علوم ماری کی بھیک مانگنی پڑے ۔

میرے مولے تو ہادی ہے ہماری ہدایت کے لئے تو نے سب کچھ قربان کر دیا۔ میں تیرے مقصد کی بھیک تجھ سے مانگتا ہوں۔ اگر تو میرے نفس میں اتنی اہلیت نہیں دیکھتا کہ میں جلد نورِ حقیقت کا بوجھ اٹھا سکوں۔ اور تدریج عطا فرمانے کی مرضی ہو۔ تو علی اکبر کے سینۂ نورانی کا واسطہ، عباس کے کٹے ہوئے بازوؤں کا واسطہ ہم لوگوں کی ہدایت کیلئے کسی صاحب معرفت عالم کا دروازہ کھلوا دے اسکو ہم تک یا ہمکو اس تک پہنچا دے ایسا عالم جو تیرا عبد ہو جسے تیری معرفت حاصل ہو۔ تیری محبت کا نور اس کے دل میں جگمگا رہا ہو اور اگر تو ہمیں اس قابل بھی نہ سمجھے تو کسی ایسے عالم ہی کو بھیجدے۔ جسے تو نے اتنا شعور عطا کر دیا ہو جو آیات اور حدیث کے صحیح مفہوم کو سمجھتا ہو۔ اسکا دروازہ کھلوا دے تاکہ ہم کو آیات و احادیث کا صحیح مفہوم بتا سکے۔ اور اس وقت تک جو ہمکو ہر حدیث ہدایت کا الٹا مطلب سمجھا کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا گیا ہے لاشعوری کی دلدل میں پھنسا دیا گیا ہے اس سے نکل سکیں ۔

اے مولے اے مہربان آقا تجھے بے پردگی زینب کا واسطہ۔ ام کلثوم کے سر برہنہ کا واسطہ۔ اسیران اہلبیت کے بازوؤں کا واسطہ ہماری عورتوں اور لڑکیوں کی طرف سے بھی ہماری اس دعا کو قبول فرمائے۔ تجھ پر خدا و ملائکہ کی۔ انبیاء اور رسولوں کی اور جملہ مومنین اور مومنات کی طرف سے صلوات اور سلام ہو آمین ثم آمین ۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین الطاہرین ۔

تمت